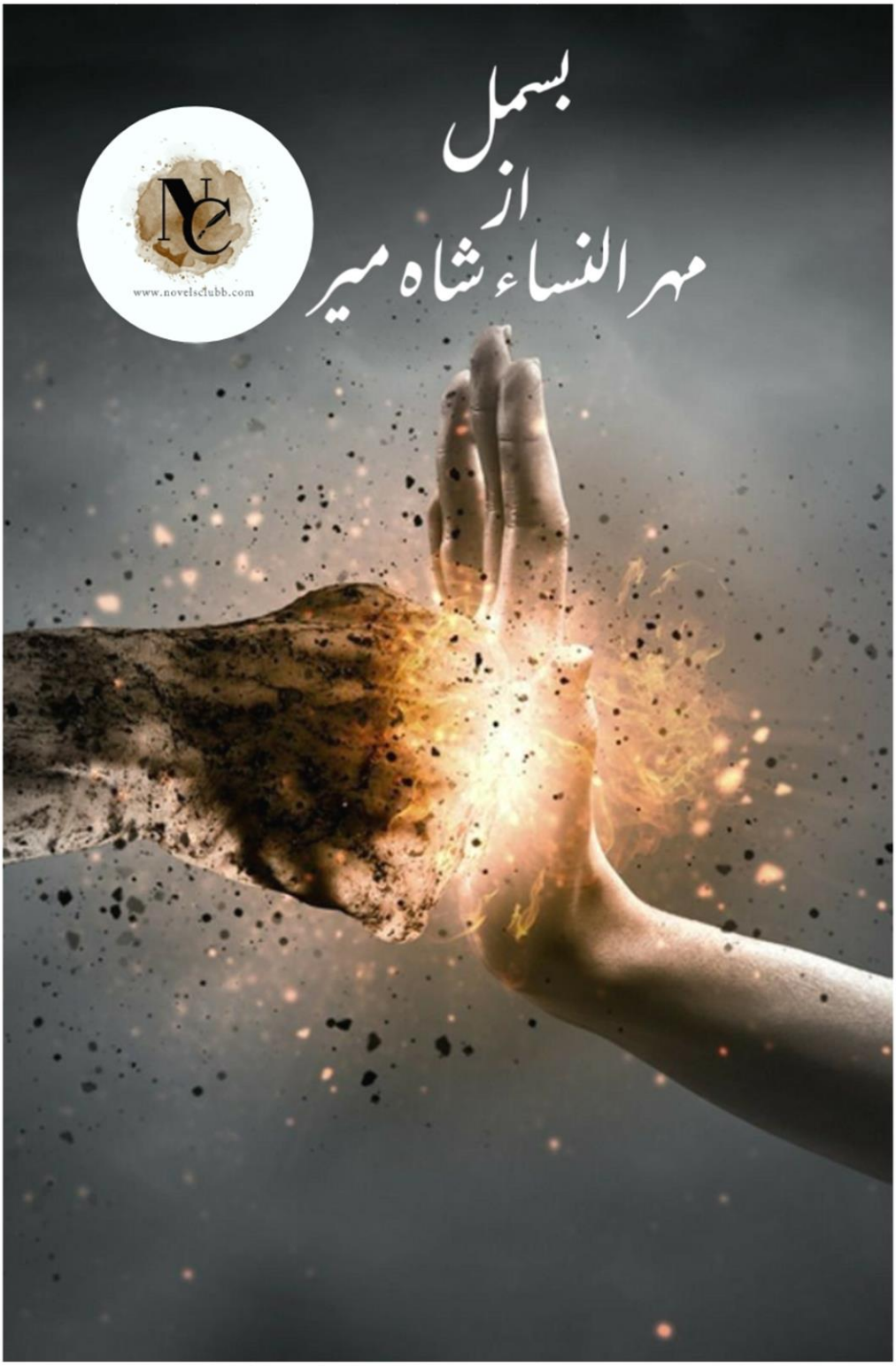
بسمل
از
مهر النساء شاه میر
www.novelsclubb.com

السلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

بسمل از مہر النساء شاہ میر

دوئم

قبولیت

www.novelsclubb.com

ابن آدم سے ایک دن پوچھا ابلیس نے

کیا چیز ہے وہ جس نے رکھا تمھیں ہمیشہ پر سکون

اور کیا شے ہے وہ جس نے کیا مجھے بے سکون

ابن آدم مسکرایا اور کیا ابلیس کے گوش گزار

قبولیت لفظ ہے راز تیری میری کہانی کا

اے ابلیس تو نے جھیلی عرش بدری کیونکہ تو تھا زعم بردار

ہوا نہ تجھ سے قبول کہ اللہ نے کی تخلیق

تجھ سے افضل تجھ سے بہتر ذات

جھیلی تو نے لعنت ہوا تو عذاب کا حقدار

میں نے کی قبول بھوک، پیاس، غربت بے مثال

کبھی ملی بیماری، ٹوٹا دل، ہوئی جوانی بے حال

جھیلی تن پہ سختی من پہ زخم بے شمار

میں رویا میں چیخا میں دھاڑا میں سسکا

مگر ایک روز تھا قبولیت کا وہی روز تھا مسروریت کا

تجھ کو لگتا ہے تو واحد ہے جو ہوا بے سکون سا؟

اے ابلیس نہ فرمان دیکھ رکھے ہیں تجھ سے کم ذات کئی

جنہوں نے نہ کیا قبول اللہ کا فیصلہ سہی

ہوئے ابلیس صفت رہی انکی صحبت وہی

ابلیس جو اپنی فتح پہ مسکرآیا یوں ابن آدم نے اسکی ہنسی روکی

اے ابلیس تو رہے گا نامراد روز حشر تلک

کیونکہ ہے بشر کو مہلت برزخ کے فیصلے تلک

سنو اے انسان اے جنوں ے چرند پرند کے گروہ

قبولیت ہے تمہاری بقا تمہاری ذات کا راز

www.novelsclubb.com

مہدی کمبیر کے بلوچستان جانے سے ایک رات قبل

قیسم کی چوکور عمارت تمام تر جلال کے ساتھ اسلام آباد کے سینے پہ کھڑی تھی۔اس پہر سارے میں ٹھنڈی ہواؤں کا راج تھا۔ ستمبر کا اختتام تھا۔دن میں نمی اور حبس اور رات کے وقت ٹھنڈی دل کو بھاتی ہوا۔

قیسم کی ساری بتیاں گل تھیں۔بس دوسری منزل کا ایک شیشے کا سٹوڈیو اس پہر روشن تھا زرد بتیوں والا روشن سٹوڈیو باہر کھڑے ہونے والے کر دیکھنے کو ایک ٹرانس میں دھکیل دیتا تھا۔یقین نہیں آیا۔؟

ایک پل کو آنکھیں موند و ایک اونچی عمارت ذہن کے پردے پہ لاؤ پھر اسکی ساری بتیاں بجھاو۔اب بس ایک کونے والی زرد بتی جلتی ہوئی دیکھو۔اندھیرے میں ڈوبی ایک عمارت کی زرد جلتی ہوئی بتی۔ہے ناں دلفریب؟

ٹھنڈی ہوا، عمارت کی زرد جلتی بتی کے تعاقب میں آؤ تو شیشے کا سٹوڈیو اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ کہیں کاٹن کھلے پڑے تھے تو کہیں کپڑے کے ٹکڑے پڑے تھے۔ کہیں چھوٹے چھوٹے بیٹس بکھرے ہوئے تھے۔ایسے جیسے ہیرے ہوں۔تو کہیں سنگی مجسمے کھڑے تھے۔جن کے اوپر برانڈڈ لباس چڑھے تھے۔

سٹوڈیو کے عین بیچ میں ایک سنگی مجسمہ تھا۔ جس کے اوپر زرد روشنی پڑ رہی تھی۔ مجسمے کے اوپر اس لمحے ایک گہرے سرخ رنگ کا لمبا گاؤن ٹنگا تھا۔ سادہ لمبا سلک گاؤن۔ اسکے بازو پہ ننھے ننھے بیٹس لگے تھے۔ گلہ خالی تھا۔ کمر کی جگہ پہ ایک سنہری بیلٹ تھا۔ وہ سادہ سا سرخ گاؤن اتنا خوبصورت تھا کہ کوئی حد نہیں۔

ایک بازو پہ سنہری بیٹس لگ چکے تھے۔ مجسمے کا دوسرا سنگی بازو جس کے اوپر گاؤن تھا۔ وہ اب تیر کی مانند سیدھا تھا۔ نیم اندھیرے میں ایک شخص کھڑا تھا۔ اسکے بال گھنگریالے تھے۔ ہلکی ہلکی داڑھی پہ زرد روشنی پڑتی تھی تو وہ مزید جاذب نظر لگتا تھا۔ اسکی گندمی انگلیاں اس وقت ایک ننھا سا بیٹ بازو کے کنارے پہ لگا رہی تھیں۔ وہ اپنے کام میں اتنا منہمک تھا کہ حد نہیں۔

اسکے ہاتھ کسی ماہر مصور کے ہاتھوں جیسے تھے۔ شاید وہ انکا بے حد خیال رکھا کرتا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی کہیں سے بھول بھٹک کر اسکے پیروں پہ پڑ رہی تھی۔ وہ نرم آرام دہ سلیپر پہنے ہوئے تھا۔ سفید ڈریس شرٹ کے ساتھ نیلی اور سفید دھاری دار پینٹ۔ شرٹ کے دو

اوپری بٹن کھلے تھے۔شاید اسے گرمی لگ رہی تھی۔یا شاید وہ آرام دہ محسوس کرنا چاہتا تھا

۔

تم نے تو کہا تھا تم عورتوں کے کپڑے نہیں بناتے۔؟ یہ آواز دروازے پہ کھڑے کسی مرد کی تھی۔ قیس سے اس ٹون میں بات کرنے کی جرات کون کر سکتا ہے۔؟

ہاں تم سہی سمجھے براق حنیف۔وہ آدھا عرب دروازے پہ کھڑا طنزیہ انداز میں اسکی پشت کو دیکھ رہا تھا۔وہ اندھیرے میں تھا۔چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ قیس نے اب کے گردن ایک جانب ڈھلکادی۔وہ مسکراتے ہوئے اس سرخ گاؤن کو دیکھ رہا تھا۔نہ جانے کیوں اسے یہ اتنا اچھا لگا تھا۔ نظر کو اتنا بھایا تھا۔اندھیرے میں کھڑے آدمی کی زبان کو ایک بار پھر کھجلی ہوئی۔

تو اب ایک زن بیزار آدمی سرخ زنانہ گاؤن تیار کر رہا ہے۔ایک اور طنز۔

قیس نے ان کے گردن سیدھی کرلی۔وہ اب جھک کر کمر پہ لگے بیلٹ کو دیکھ رہا تھا۔یکدم اسکی آنکھوں میں ناپسندیدگی اتری۔وو غیر آرام دہ ہوا تھا۔کچھ تھا جو برا لگا تھا۔

،،وہ آدمی جسے عورت لفظ سے سخت نفرت ہے۔وہ اب عورتوں کے کپڑوں پہ یا ستارے موتی لگائے گا۔یا اللہّ یا میرے مولا۔ایسا دن دکھانے سے پہلے میری دس گرل فرینڈز مر کیوں نہیں گئیں۔؟،،دروازے کا ساتھ ٹیک لگائے نیم اندھیرے میں کھڑے شخص نے ایک اور ہانک لگائی۔

قیس اب بھی نہیں مڑا تھا۔اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔ماتھے پہ گرتے بال اس نے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔وہ ہنوز جھکا ہوا تھا۔یونہی جھکی جھکے اس نے کہنا شروع کیا۔

میرے عظیم ابا کہا کرتے تھے۔انکے گاؤں میں پورے چاند کی رات چند آوارہ کتے گلی میں کھڑے ہو کر بھونکا کرتے تھے۔خاموش سٹوڈیو میں اسکی آواز گونج رہی تھی۔براق سنے گیا۔

ان کتوں کو نہ کھانا چاہیے ہوتا تھا نہ پانی اور نہ ہی سر چھپانے کو جگہ۔

وہ اب کمر کے بیلٹ کو اپنی انگلیوں سے چھو رہا تھا۔

سب کچھ موجود ہوتے ہوئے بھی وہ کتے بھونکے جاتے تھے بھونکے جاتے تھے۔جانتے ہو کیوں۔؟بھاری لہجہ سارے میں ارتعاش سا پیدا کر رہا تھا۔براق نے ہانک لگائی۔

کیوں۔؟

قیس نے اب نوچ کر مجسمے کی کمر پہ لگا بیلٹ اتار لیا تھا۔اسکے انداز میں جتنی جارحیت تھی۔ چہرہ پر سکون اتنا ہی۔

کتے پورا چاند دیکھ کے پاگل ہوتے تھے۔عام دنوں میں کوئی انہیں نوٹس نہیں کرتا تھا اسی لئے پورے چاند کی رات وہ بھونک بھونک کر لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے تھے۔آج پورا چاند ہے اور تم کون ہو کیا اب مجھے بتانے کی ضرورت ہے۔؟

اسی لمحے وہ آدھا عرب ہلکا سا ہنسا تھا۔روشنی میں کھڑا شخص کہہ رہا تھا۔

ویسے میرے عظیم بابا مزاج کے سخت تھے۔ایک دن ان کتوں کے بھونکنے کی وجہ سے انکاوی سی آر سہی آواز نہیں دے رہا تھا۔بابا نے اپنی بندوق اٹھائی اور اس رات گاؤں میں آٹھ کتوں کی لاشیں گری تھیں۔سب کہتے ہیں میں بھی اپنے بابا کی طرح گرم دماغ کا آدمی ہوں۔

اس نے بات ختم کر کے رخ براق کی جانب موڑا۔

قیس اب سیدھا کھڑا تھا۔ براق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔ وہ اگر سنجیدہ آنکھوں سے بھی تمھیں دیکھے تو تمہیں اس سے خوف آئے۔ یوں جیسے ایک سیریل کلر کا آخری شکار ہو تم۔

براق چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اسکے قریب آنے لگا۔ اسکے بوٹ زمین پہ بکھرے گتوں پہ لگتے تو چرچر کی آواز آتی تھی۔

میری اماں مجھے بتایا کرتی تھیں کہ جب میرا پاکستانی باپ ہمیں اپنے گاؤں لے کر گیا تو ایک رات کو کتے بھونک رہے تھے۔

اسکی آواز گتوں کی چرچر میں بھی صاف سنائی دیتی تھی۔ وہ اندھیرے سے روشنی کی طرف آرہا تھا۔

تھی لگتی جیسے تمھارے عظیم ابا کو اس آدمی ایک آدمی کو ان کتوں کی آواز اسی طرح ناگوار کو بھی ویسا غصہ آیا جیسا تمھارے ابا کو۔ وہ بھی گھر سے بندوق کے کر باہر آیا جیسے تمھارے ابا آئے تھے۔

وہ اب قیس کے بلکل سامنے کھڑا تھا۔ گتوں کی بد نما آواز رک گئی۔ سٹوڈیو میں گونجتا اسکا لہجہ پل بھر کو تھم گیا۔

لیکن چالیں پلٹ گئیں۔ تدبیریں الٹ ہو گئیں۔ ان کتوں میں ایک بھیڑیا بھی تھا قیس۔ بھیڑیے نے اس آدمی کو چیر دیا۔ پورے چاند کی رات صرف کتے نہیں بھیڑیے بھی نکلتے ہیں۔ تمھیں چاہیے کہ ہوشیار رہو۔ اس کی آنکھیں اس وقت عجیب تھیں۔ قیس اسے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ براق اسکا کندھا تھپک کر ایک بار پھر اندھیرے کی اور بڑھ گیا۔ ابھی اس نے دروازہ پار نہیں کیا تھا۔

جو بھیڑیا کتوں کے جھرمٹ میں شکار کرنے نکلے وہ کتوں سے بھی بڑا کتا ہے۔ قیس کی دھیمی آواز کچھ جتا رہی تھی۔ وہ کم بولتا تھا۔ لیکن جب بولتا تھا۔ تو سامنے والا کچھ بول نہیں پاتا تھا۔ براق چند لمحے دروازے کی چوکھٹ پہ کھڑا رہا اور پھر باہر نکل گیا۔

چند پل بعد قیس اس سرخ گاؤن کی کمر والی جگہ کو کسی بھی قسم کی آرائش سے پاک کر چکا تھا۔ بس بازو پہ لگے ننھے بیٹس اور سلک کا لمبا گاؤن۔ وہ ستائش سے اس گاؤن کو دیکھے گیا۔ جب اسے اپنے ساتھ والے سٹوڈیو سے ہلکا سا کھٹکا محسوس ہوا۔ قیس چونکا تھا۔

اب کے ڈبے اور مجسمے گرنے کی آوازیں آئی تھیں۔ کوئی تھا جو آفس میں گھس آیا تھا۔ لیکن نہ وہ ڈرا نہ جھجھکا۔ یہ اسکی سلطنت تھی۔ وہ یہاں کا سلطان تھا۔ اسکے کمفرٹ زون میں بھلا کون داخل ہوا تھا۔

قیس نے زرد بتیوں تلے کھڑے اس سرخ گاؤن کو وہیں رہنے دیا اور خود بغیر چاپ پیدا کئے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

بڑھتا جاتا تھا۔ وہ محتاط قدم دھرتا ساتھ والے سٹوڈیو کا دروازہ ہر قدم کے ساتھ کھٹکا بھی دھکیل کر اندر داخل ہوا۔ یکدم تین چار ڈبے ایک ساتھ گرے تھے۔ قیس دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ پھر آہستہ سے جھک کر اس نے اپنی پنڈلی کے ساتھ بندھی چھوٹی سی پسٹل باہر نکالی۔ وہ جو نہی سیدھا ہوا اسکے عین سامنے کوئی تھا۔

وہی جس نے ڈبے گرائے تھے۔ وہی جس نے مجسمے توڑے تھے۔ اور وہی جو رات کے اندھیرے میں کسی کے آفس کا دروازہ دھکیل کر اندر آیا تھا۔ کون بھلا۔؟

موجودہ دن

سیاحوں کے گروپ نے ٹولی بنا رکھی تھی۔ مہدی کمبیر اپنے لوگوں کے ساتھ ساحل سمندر کے پاس کھڑا تھا۔ یہ ٹرٹل بیچ کا ساحل تھا۔ گوادر کے دو ساحل سب سے مشہور تھے۔ پدی زر ساحل، ٹرٹل ساحل۔

Turtle beach

یہ نام ایک خاص وجہ سے پڑا تھا۔ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ کئی برس قبل اس ساحل پہ لا تعداد کچھوے ہوتے تھے۔ جسکی وجہ سے اس ساحل کا نام ٹرٹل بیچ پڑ گیا۔ مقامی زبان بلوچی میں اس بیچ کو کبی سی بیچ کہا جاتا ہے۔

www.novelsclubb.com

اس ساحل کا پانی کرسٹل کلئیر تھا۔ وجہ یہاں لوگوں کا بہت کم آنا تھا۔ یہاں بس چند مقامی و غیر مقامی بلا گر آیا کرتے تھے۔ یا پھر وہ لوگ جو سکون سے چند گھڑی اپنے ساتھ گزارنا چاہتے تھے۔ مہدی اس وقت اسی ساحل کی لہروں پہ اپنے پیر دھرے ہوئے تھا۔ اس نے موبائل کان کے ساتھ لگا رکھا تھا۔ نیٹ ورک پرابلم کی وجہ سے وہ ذرا فاصلے پہ کھڑے ہو

کر بات کر رہا تھا۔ لیکن کافی فاصلے کے باوجود نائٹ میئر، نائٹ میئر کی آوازیں کانوں میں پڑتی تھیں۔ شاید وہ اس نام کے کسی شخص سے مخاطب تھا۔

وہ ہاتھ اٹھا کر بات کرتے ہوئے کافی جھنجھلایا ہوا تھا۔ سانولے عام سے چہرے پہ دبا دبا غصہ تھا۔ شاید سامنے والے کی کوئی بات بری لگی تھی۔ اسکے ساتھی سمندر کنارے کھڑے تھے۔ کوئی ویڈیو بنا رہا تھا۔ کوئی تصاویر کھینچ رہا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر بعد انکو یہاں سے اپنے ہوٹل جانا تھا۔ زینیا نے لڑکیوں کے لئے چند تصاویر اتار لیں۔ اب بس یہ مہدی کمبیر رہ گیا تھا۔ یہ آخر اپنی بات کب ختم کرے گا۔؟

وہ بات کرتے ہوئے سمندر کے کنارے چل رہا تھا۔ اسی لمحے اس نے سلیکس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی یو ایس بی نکالی تھی۔ جس کے ساتھ اسکا والٹ بھی گرا تھا۔ زینیا نے ذرا سے فاصلے سے اسکا والٹ گرتے ہوئے دیکھا۔ وہ قریب ہی تھی۔ اس نے آس پاس دیکھا بشر ذرا فاصلے پہ کھڑا تھا۔ فون کان سے لگا رکھا تھا۔ اسکے اپنے جھمیلے تھے۔ وہ کاروباری آدمی تھا۔

اسکا کام ہی ایسا تھا فون ہر وقت بجتا رہتا تھا۔چند لمحہ وہ اپنی جگہ کھڑی سوچتی رہی اور پھر آگے بڑھ آئی۔سیاہ گھنے والی لڑکی لہروں کے ساتھ قدم ملاتے لڑکے کے پیچھے چل رہی تھی۔سنہری آنکھوں پہ پڑتی دھوپ اسکی چھوٹی آنکھوں کو بند کئے دے رہی تھی۔

ٹرٹل بیچ کے عقب میں کھڑے مٹیالے پہاڑوں کے پیچھے سورج تھا۔جسکی روشنی چھن کر سیاحوں کے چہرے پہ لگ کر پلٹ رہی تھی۔

ایک جگہ رک کر وہ نیچے جھکی یہاں بس ذرا سا پانی تھا۔زینیا نے جھک کر پانی کے نیچے پڑا والٹ اٹھایا۔

آپ کا والٹ گر گیا ہے۔اس نے ہانک لگائی۔مہدی نہیں مڑا۔وہ اب بھی اپنی جگہ کھڑا بات کر رہا تھا۔اب کے اسکے چہرے پہ سخت غصہ تھا۔سرخ چہرہ بھینچا ہوا چہرہ۔زینیا کو اس لمحے اسکے قریب جانے سے دقت ہوئی۔

www.novelsclubb.com

اسے ابا کا چہرہ یاد آرہا تھا۔وہ غصے میں ہوتے تھے تو جھڑک دیتے تھے۔نہ سامنے لوگ دیکھتے تھے نہ محفل۔زینیا ایک ہزار بار اپنے سارے خاندان کے سامنے جھڑکی گئی تھی۔اسے ابا سے خاندان سے خوف نہیں آتا تھا۔اسے بے عزتی سے خوف آتا تھا۔اسے آدھے

خاندان کے سامنے سبکی اٹھانے سے خوف آتا تھا۔اسے اب کسی بھی مرد سے بات کرتے ہوئے خوف آتا تھا۔اسے مردوں کے غصے سے خوف آتا تھا۔

والٹ ہاتھ میں لئے کئی پل وہ کھڑی رہی۔پھر نہ جانے کیوں اس نے لہروں کے درمیان کھڑے شخص کی طرف قدم بڑھائے تھے۔ہر قدم پہ اسے اپنے خاندان کے سامنے ہونے والی ذلت یاد آتی تھی۔وہ بھولتی ہی کہاں تھی۔؟ہائی آئی کیو،فوٹو گرافک میموری۔ اسے سب یاد دلائے رکھتے تھے۔

مہدی سے چند قدم کے فاصلے پہ اس نے اپنے قدم روکے۔پنڈلیاں پانی میں گیلی ہو رہی تھیں۔کولاپوری چپل پانی سے بھرے ہوئے تھے۔نم ہوا اسکے سختی سے بندھے بالوں کو ڈھیلا کر چکی تھی۔

آپ کا والٹ گر گیا تھا۔اس نے والٹ مہدی کی طرف بڑھایا۔وہ جو غصے میں سامنے والے کو سخت سست کہنے لگا تھا یکدم ٹھہر گیا۔اپنے دائیں طرف کھڑی لڑکی کو ایک نظر دیکھا۔فون کے اس پار شخص نے اس لڑکی کی آواز باخوبی سنی تھی۔

مہدی نے فون کان سے ہٹایااور اپنے سامنے کھڑی سنہری آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا۔زینیا اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے کچھ تھاجو مسنگ تھا۔ جیسے کیوں وہ ابا کی طرح چیخا نہیں۔؟

تھینکیو سو مچ۔ یہ پتہ نہیں کیسے گر گیا۔وہ ماتھے کو چھوتے ہوئے ممنونیت سے کہہ رہا تھا۔ آواز بجھی ہوئی تھی۔ جیسے بادقت نرمی دکھا رہا ہو۔

زینیا نے ہاتھ آگے بڑھا کر والٹ اسے تھمادیا۔لہروں اور پہاڑوں نے پھر اسے مڑتے ہوئے دیکھا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتی واپس پلٹ رہی تھی۔ مہدی چند لمحے اسے جاتے دیکھتا رہااور پھر موبائل دوبارہ کان سے لگالیا۔

وہ اب پاؤں سے لہروں کو ٹھوکر مار رہا تھا پانی اچھل اچھل رہا تھا۔اسی لمحے زینیا اپنی جگہ رک گئی تھی۔اس نے مڑ کر ایک نظر مہدی کو دیکھا۔وہ ہنوز پانی کو ٹھوکر مار رہا تھا۔زینیا نے کندھے پہ لٹکا اپنا کیمرہ اتارا ہاتھ میں پکڑ کر اسے آنکھوں کے سامنے کیا۔

یہاں مہدی نے پانی کو ایک ٹھوکر ماری اور یہاں کیمرے کی آنکھ نے یہ منظر اپنے اندر قید کر لیا۔ پانی کے چھینٹے یونہی فضا میں بلند رہے۔ مہدی فون کان سے لگائے کھڑا رہا۔ اور تصویر بن گئی۔ عقب میں کھڑے پہاڑوں نے بھی ستائش سے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا تھا۔

اب وہ چلتے پھرتے اسکی مزید تصاویر بنا رہی تھی۔ وہ کسی بات پہ ہنس رہا تھا۔ اسکی سبز آنکھیں چھوٹی ہو گئی تھیں۔ ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ ہنستے ہنستے دوہرا ہو گیا تھا۔ زینیا نے ایک لمحے کے لئے بھی کیمرہ آنکھ سے ہٹایا نہیں تھا۔ وہ ہنس رہا تھا اور وہ اسکی ہنسی کو آنے والے وقتوں کے لئے سنبھال کر رکھ رہی تھی۔ چند منٹ بعد اس نے کال کاٹ دی تھی۔ اب وہ اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان تصاویر کے بننے سے انجان نہیں تھا۔ وہ دن رات کیمے کے آگے رہنے والا آدمی تھا۔ کیمرے سے انجان نہیں تھا۔

یکدم وہ پانی کے درمیان بیٹھ گیا تھا۔ زینیا نے کیمرہ آنکھ سے ہٹا کر حیرت سے اسے دیکھا۔ مہدی مسکرایا تھا۔ صاف ظاہر تھا وہ کہہ رہا ہے کم آن زینیا حاکم تصاویر اتارو۔

اس نے سر جھٹکا اور کیمرہ واپس آنکھ کے آگے کر لیا۔اس آدمی کے پاس کچھ بھی اچھا نہیں تھا۔ہاں مگر آنکھیں۔اسکی آنکھیں خوب صورت تھیں۔وہ یہاں کا ہو کر بھی دیار غیر کا معلوم ہوتا تھا۔پانی کے بیچ و بیٹھا وہ مسکرا رہا تھا۔

Weirdo

زینیا نے اسکی آنکھوں کو کیمرے میں قید کرتے ایک بار پھر دہرایا۔

کالج کی عمارت اس پہر تازہ دم سی تھی۔نئے رنگ و روغن نے کیا تازگی بخشی تھی۔

www.novelsclubb.com

پودوں اور درختوں کی کانٹ چھانٹ نے یکدم سارا ماحول ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔آج گھاس خالی تھی۔لڑکیوں کی کوئی ٹولی یہاں نہ تھی۔وجہ آج کی ایکسٹرا کلاسز تھیں۔فرسٹ ائیر پری میڈیکل کی طالبہ کو نج حاکم کے کمرہ جماعت میں داخل ہوں تو وہ سانولی رنگت والی لڑکی کھڑکی کے ساتھ والے ڈیسک پہ بیٹھی تھی۔

کلاس خاصی بڑی اور ہوادار تھی۔ چھت سے لٹکتے پنکھوں کی ہوا فرحت بخش رہی تھی۔ دیواروں پہ مختلف چارٹس لگے تھے۔ یہ عمارت گوادر شہر میں واقع تھی۔ حاکم نواب کا گھر شہر کی حدود سے ذرا باہر تھا۔ لیکن یہاں اس کالج میں آنے کے لئے کونج کو زیادہ دقت نہیں ہوا کرتی تھی۔ کالج کی بس سہولت کا منبع تھی۔

اس وقت کلاس میں میڈم امامہ کی آواز گونج رہی تھی۔ فیزکس کی استانی صاحبہ خاصی سخت تھیں۔ صاف ستھرے نقوش والی میڈم امامہ کی ایکسرے کرتی نظریں اس پہر ساری کلاس میں دوڑ رہی تھیں۔

،، کل میں نے آپ سب کو ایک numerical دیا تھا۔ اور میں نے یاد دہانی کروائی تھی کہ کل تک تمام بچیاں وہ numerical مجھے جمع کروائیں گی۔ کیا آپ سب نے کام کر لیا۔؟

www.novelsclubb.com

انکا لہجہ سخت نہ تھا تو نرم بھی نہ تھا۔ میڈم سے خوف صرف اس لئے آتا تھا کہ وہ کام نہ کرنے پہ خود کچھ نہیں کہتی تھیں۔ یہ بچی کا بازو پکڑا اور یہ لے گئیں پرنسپل صاحبہ کے پاس ۔اور پرنسپل جیسی بے عزتی کرتی تھیں اسے تم سالوں نہ بھول پاؤ۔

میڈم کے سوال پہ چند فرنٹ بینچرز نے لہک لہک کر ہاں میں جواب دیا تھا۔چند نے فورا لکھنا شروع کیا تھا۔اور چند خاموشی سے اپنی باری کا انتظار کرنے لگیں۔اپنی باری کا انتظار کرنے والوں میں کونج بھی تھی۔اور اضطراب زدہ چہروں میں وہ بھی تھی۔وہ کون۔؟

وہی پستہ قد مناسب نقوش والی لڑکی۔وہ جو فیور دینے آئی تھی۔لیکن اسکے بعد دلاسا نہیں دیا۔وہ عشرت منصور تھی۔کونج کا اس سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا۔بس ایک ہلکی سی مسکراہٹ آتے جاتے ایک دوسرے کو دیتے رہنا۔اور چند غیر مشروط فیورز۔جنکا مظاہرہ تم ایک بار دیکھ چکے ہو۔

عشرت اس وقت سخت اضطراب کا شکار تھی۔ناخن چباتے ہوئے وہ یہاں سے وہاں دیکھ رہی تھی۔کھڑکی کے ساتھ جڑ کر بیٹھی کونج نے اتفاقا اسے دیکھا تھا۔اور پھر ٹھٹھکی۔ عشرت اسے پریشان لگی تھی۔کونج نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔

کیا ہوا؟

Numerical نہیں کیا۔وہ بغیر آواز کے بولی۔میڈم بس دو ڈیسک دور تھیں۔آہ بے عزتی۔

کونج کو اب کے واقعی تشویش ہوئی تھی۔اس نے اپنی رف کاپی اپنے سامنے کی اور اس پہ چند الفاظ گھسیٹے۔

فضول عورت کیوں نہیں لکھا۔؟کاپی ہوا میں بلند کی تاکہ تحریر عشرت کو نظر آجائے۔وہ پڑھ چکی تو اپنی کاپی پہ چند الفاظ گھسیٹے۔

بھائی کی منگنی کی شاپنگ کرنی تھی۔اب میں کیا کروں گی۔؟وہ رو دینے کو تھی۔اللہ اللہ اسے بے عزت نہیں ہونا تھا۔

اب میڈم کونج کے سامنے کھڑی تھیں۔اسکے ساتھ بیٹھی لڑکی رجسٹر پہ لکھا سوال دکھا رہی تھی۔چند غلطیاں تھیں شاید۔کونج نے عشرت کو دیکھا۔وہ رو دینے والی تھی۔اسکی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔

دکھائیں کونج آپ نے کیسے حل کیا ہے۔میڈم کی بھاری آواز پہ کونج اپنی ڈیسک پہ کھڑی ہوئی۔رجسٹر اسکے ہاتھ میں تھا دو گھنٹوں کی محنت سے لکھا numerical اس کے بیچ والے صفحوں پہ درج تھا۔وہ شش و پنج میں مبتلا چند پل ٹکر ٹکر میڈم کا چہرہ دیکھتی رہی۔

دل میں ایک ہزار بار خود کو ملامت کی۔اور دس ہزار گالیاں عشرت کو دیں۔اور پھر اس نے سر جھکا دیا۔

آئی ایم سوری میڈم میں نے کام نہیں کیا۔اس نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے کہا تھا۔اسکی بات پہ کلاس کی آدھی لڑکیوں نے اسے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔وہ کونج حاکم تھی۔مڈل بینچر۔ وہ پڑھتی فرسٹ بینچرز کی طرح تھی۔اور اسکے کام بیک بینچرز والے تھے۔آج پہلی بار تھا جب میڈم امامہ کی فیورٹ سٹوڈنٹ نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔

چند سخت سست سنا کر میڈم ہٹ گئی تھیں۔کونج جانتی تھی اب اس کلاس سے کوئی بھی پرنسپل کے آفس نہیں جائے گا۔وہ میڈم کی فیورٹ تھی۔اگر باقی کلاس جائے گی تو اسے بھی جانا پڑے گا۔اور میڈم امامہ کو یہ ہرگز منظور نہ ہوتا۔

www.novelsclubb.com

،،آہ یہ ٹیچرز کا فیورٹزم،،

آج آپ سب کو معاف کر رہی ہوں لیکن کل کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔میڈم واپس بورڈ کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔کونج نے ایک ہزار دفع خود پہ لعنت بھیجی تھی۔ساتھ ہی مڑ کر اپنے دائیں جانب والی ڈیسک کی طرف دیکھا۔

عشرت ممنونیت سے مسکرا رہی تھی۔اسکی آنکھوں کے آنسو غائب تھے۔ہنہہ اداکار نہ ہو تو۔میڈم اب کچھ اور کہہ رہی تھیں کونج بے دلی سے انکی بات سنے گئی۔

بے زاری سی بے زاری تھی۔خیر فیور تو دیاناں۔یہی کافی ہے۔اسکا دل ہلکا پھلکا ہونے لگا۔

اسلام آباد کی ایک چوڑی سڑک پہ اس وقت قیس کمبیر کی سیاہ مرسڈیز اپنے ٹائر دھرتی ہوئی جا رہی تھی۔شام کا وقت تھا۔اندھیرا سارے میں پر پھیلانے کو بے تاب تھا۔چوڑی aesthetic سڑک کے دونوں اطراف میں گھنے درخت تھے۔خاموشی خوبصورتی اور vibes کے لئے اسلام آباد سے بہتر کوئی شہر ہو ہی نہیں سکتا۔

مغرب کی اذانیں بلند ہوئیں اور اسی لمحے قیس کی گاڑی ایک پینٹ ہاؤس کے سامنے آکر رکی۔اندر سے میوزک کی چنگھاڑتی آواز آ رہی تھی۔شوفر نے دروازہ کھولا تو قیس نے قدم

باہر نکالے۔وہ نک سک سے تیار تھا۔گندمی رنگت دمک رہی تھی۔سیاہ سوٹ میں وہ جاذب نظر لگ رہا تھا۔

کچھ وقت بعد وہ پینٹ ہاؤس کے اندر تھا۔نیلی سرخ جھلملاتی لائٹس کے درمیان ناچتے گاتے لڑکے لڑکیاں۔ایلیٹ کلاس کے جوان بچوں کے چونچلے تھے۔قیس ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے کھڑا تھا۔اسکی نظریں متلاشی تھیں۔اور اسی پل ایک کونے میں اسے وہ نظر آئی۔

ماڈلز جیسی جسامت والی دبلی پتلی لڑکی۔جس کے بال لمبے اور خوبصورت تھے۔وہ کسی لڑکے کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی تھی۔ہاتھ میں گلاس تھام رکھا تھا۔اس نے سفید گاؤن پہن رکھا تھا۔جس سے پنڈلیوں کے اوپر تک ٹانگیں نظر آتی تھیں۔سرخ ہیلز کے ساتھ سرخ ہی بیگ جھولی میں ڈالے بیٹھی انیسہ بختیار کمبیر۔

قیس چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر آگے بڑھ آیا۔انیسہ کے قریب رک کر اس نے سامنے بیٹھے لڑکے کو دیکھا۔انیسہ اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔قیس آج اسے زندہ نہیں چھوڑے گا یہ تو طے تھا۔اسکا سانس جہاں تھا۔وہیں تھم گیا۔

قیس نے ایک نظر سارے لڑکے لڑکیوں کو دیکھا پھر ہلکا سا مسکرایا۔

میں اپنی بہن کو یہاں سے لے جانا چاہ رہا ہوں۔ کچھ وقت ساتھ گزارنا ہے۔ آپ اسے پھر کبھی جوائن کر سکتے ہیں۔ اسکی بات سنتے ہی سب نے مختلف الفاظ منہ سے نکالے تھے۔

ڈیسنٹ، مینرڈ، بیہیوڈ۔

اس نے شل کھڑی انیسہ کا ہاتھ اپنے بازو میں ڈالا اور مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔ کئی لڑکیوں نے اسے رشک سے دیکھا تھا۔ کاش وہ اسکے گھنگریالے بالوں کو چھو کر محسوس کر سکتیں۔

باہر آکر وہ انیسہ کے ساتھ پچھلی سیٹ پہ آکر بیٹھا تھا۔ نہ کچھ بولا نہ سنا بس خاموشی سی خاموشی تھی۔ انیسہ بار بار پہلو بدل رہی تھی۔ گاؤن کو کھینچ کھینچ کر پنڈلیاں اور ٹانگیں ڈھکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ قیس سے اسے ڈر نہیں لگتا تھا۔ لیکن وہ اسکے سامنے جس طرح بیٹھی تھی وہ ناراض ہو سکتا تھا۔ اسکی جدوجہد دیکھ قیس نے اپنا کوٹ اتار کر اسکے گھٹنوں پہ ڈال دیا۔

چندپل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔اور پھر رخ باہر دوڑتی گاڑیوں کی طرف موڑ لیا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ گھر پہ تھے انیسہ کا کمرہ۔بیڈ پہ بیٹھی وہ اور باہر سے ڈریس شرٹ میں ملبوس کمرے میں داخل ہوتا قیس۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا اسکے قریب آکر بیٹھا۔

،،کیا وہ جگہ تمھارے جانے کے لائق ہے۔؟،،

انیسہ کے ساتھ جڑ کر بیٹھا وہ نرمی سے استفسار کر رہا تھا۔وہ کچھ نہ بولی۔بس گردن جھکا دی

۔

کیا وہ لوگ وہ ایلیٹ کلاس کے آوارہ لڑکے تمھارے لائق ہیں۔؟کیا وہ اس لائق ہیں کہ انیسہ بختیار کمبیرانکے پہلو میں بیٹھے۔؟یہ تو ایک آنر ہے ناں۔؟

www.novelsclubb.com

انیسہ نے گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔اسکے چہرے پہ ڈھیر سارا کرب آن ٹھہرا تھا۔

قیس کہے گیا۔

تم انیسہ تم اتنی نوبل ہو اتنی قیمتی ہو کہ میں تمہیں لفظوں میں تمہاری قدر نہیں بتا سکتا۔ کیا تم اس طرح اپنی ذات کو بے قدر کرنا چاہتی ہو۔؟اب کے وہ نرمی سے اسکے بالوں پہ ہاتھ پھیر رہا تھا۔انیسہ سر جھکائے روئے گئی۔

یہ کلبز یہ پارٹیز یہ بوائے فرینڈز یہ وقتی تسلیاں اور دلاسے ہیں۔ یہ تمہارا escape mode ہیں۔ تمھیں قبولیت کے درجے پہ آنا ہے بیٹا۔ تمھیں نہیں لگتا یہ صحیح وقت ہے۔؟وہ کب سخت چٹان سے موم بن جاتا تھا۔پتہ کب چلتا تھا۔

اب کے انیسہ اسکے کندھے سے لگ کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی تھی۔ڈھیر سارے آنسو بلند سسکیاں۔ کب سے جو ڈھیر سارا دکھ اندر سنبھال رکھا تھا وہ اب آنسوؤں کی صورت باہر نکل رہا تھا۔ قیس خاموشی اور نرمی سے اسکے بالوں میں ہاتھ پھیرتا رہا۔ جیسے وہ کوئی دو سالہ بچی ہو۔

www.novelsclubb.com

مجھ سے نہیں ہوتا قیس اب یہ مجھ سے نہیں ہوتا۔ یہ گھرا با چچا یہاں ان سب کے ساتھ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ اسکے بازو سے لگی زور زور سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

چچا خود معذور ہیں۔وہ میری ٹانگیں کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ابا lounge lizard بن گئے ہیں۔اور اب وہ مجھ سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔اس گھر میں کوئی قبول کرتا ہی نہیں کہ چند سال پہلے ایک طوفان آیا تھا اور ہمارا سب کچھ بہا کر لے گیا۔کوئی ماننے کو تیار ہی نہیں کہ وہ کٹے ہوئے دھڑ اب جڑ کر سالم انسان نہیں بنیں گے۔

وہ اپنی رو میں کہے گئی۔جبکہ قیس کے دل کو یہاں دھکا سا لگا تھا۔اسکے ابا اسکے عظیم ابا اب کبھی اسکے سامنے کھڑے نہیں ہوں گے۔اس کا دل ایک پل کو رکا تھا۔

چچا چاہتے ہیں کہ وہ مجھے انکی پسند کے لڑکے سے باندھ دیں۔انکو قبول کرنا چاہیے کہ اب وہ ایک معذور مرد ہیں اور میں ٹانگوں پہ کھڑی لڑکی۔انکا مستقبل وہیل چیئر ہے اور میرا مستقبل ریس۔کیوں وہ مرے پیروں میں زنجیر باندھ رہے ہیں۔؟کیوں وہ قبول نہیں کر لیتے کہ میں اپنی مرضی سے شادی کروں گی۔اپنی مرضی کے گھر میں رہوں گی۔کیوں قیس کیوں؟

وہ ہچکیاں لینے لگی تھی۔اسکا سارا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔چیخ چیخ کر گلہ بیٹھ رہا تھا۔

آپ مجھے سمجھیں بھائی۔آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔میں اباور چچا کی مرضی سے شادی نہیں کرناچاہتی۔میں سرے سے شادی ہی نہیں کرناچاہتی۔مجھے بس یہاں سے اس گھر سے دور بھیج دیں کسی نئے ملک کسی نئی جگہ خدا کے لئے مجھے اس haunted house سے باہر نکالیں۔جہاں ہر ایک ایک سے بڑھ کر ایک بڑی بلا ہے۔میں ان سب کے درمیان نہیں رہ سکتی میں مر جاؤں گی بھائی۔

اسکے آنسو متواتر بہے گئے لیکن اب وہ خاموش ہو چکی تھی شاید گلا تھک گیا تھا۔یا پھر شاید گلہ کرتے کرتے تھک گئی تھی۔قیس چند پل خاموشی سے اسکے پاس بیٹھا رہا۔انیسہ بس سسک رہی تھی۔چند لمحہ بعد وہ خاموش ہو گئی تھی۔قیس نے نرمی سے اسے اپنے سے جدا کیا۔

انیسہ اب اپنی سرخ گیلی آنکھیں رگڑ رہی تھی۔قیس بیڈ پہ سیدھا ہو بیٹھا۔یوں کہ ایک ٹانگ موڑلی اور ایک بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی۔انیسہ اب کے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔گھٹنے موڑ کے سینے سے لگا لئے تھے۔اسکی آنکھیں ویران تھیں چہرہ کھنڈر۔

قیس نے نرمی سے اسکے دونوں ہاتھ تھام لئے۔اسی نے توان ہاتھوں سے پکڑ کر اسے چلنا سکھایا تھا۔وہ اس گھر میں ہر فرد کا باپ اور ماں تھا۔

،،تم کیا چاہتی ہو۔؟نرم سا استفسار۔

قبولیت۔یک لفظی جواب آیا۔

میں قبولیت چاہتی ہوں قیس۔آپ سب سے آپ سب کو قبول کرنا ہو گا کہ میں کٹھ پتلی نہیں ہوں۔آپ سب مجھے کھونٹے سے نہیں باندھ سکتے۔ابا مجھ پہ اپنی مرضی مسلط نہیں کر سکتے۔اور چچا میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔اور آپ بھائی آپ اس ٹریجڈی کو قبول کریں جو برسوں پہلے ہمارا سب کچھ نگل گئی تھی۔وہ جو غور سے اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

آخری بات کرتے ہوئے انیسہ نے نظریں چرائیں تھیں۔قیس یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔یہ بچی تھی جسے ہاتھوں سے پالا تھا۔یہ اتنی بڑی کب ہو گئی۔؟

،،اگر میں تمھیں وہ سب دے دوں جو تم چاہتی ہو تو تم مجھے کیا دو گی۔؟قیس نے اسکے ہاتھ چھوڑے اور بازو سینے پہ لپیٹ لئے۔

جو آپ مانگیں۔

میں تم سے وہی مانگوں گا جو تم نے مجھ سے مانگا ہے۔

کیسی قبولیت۔؟ وہ حیران ہوئی۔

قیس کی آنکھیں اب کے مختلف ہوئی تھیں۔ سفاک اور سرد۔

"تمھیں قبول کرنا ہو گا کہ وہ lounge lizard تمہارا باپ ہے اور اب وہ ساری زندگی اسی طرح رہے گا۔ dominating اور بیک ورڈ۔

اسکی آواز میں کچھ تھا کہ انیسہ کو اس سے خوف آیا۔

وہ معذور آدمی ہمارے گھر کا بڑا ہے۔ میں بتیس سال کر ہو کر بھی اس معذور انسان کے سامنے مکمل طور پہ کھڑا نہیں ہوتا۔ تمھیں بھی نہیں ہونے دوں گا۔ یاد رکھنا۔ اس نے جتایا

۔

میں اس امر کو یقینی بناؤں گا کہ کوئی وہ معذور آدمی تمہاری ٹانگیں مفلوج نہ کرے لیکن تم یاد رکھنا میں تمھیں اسکی آنکھیں اندھی کرنے نہیں دوں گا۔

www.novelsclubb.com

انیسہ کا دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ یہ وہ قیس نہیں تھا جس کے کندھے پہ سر رکھ کر وہ روئی تھی۔ یہ تو کندھے کاٹ کر پھینک دینے والا سیریل کلر لگتا تھا۔

مرے لئے میرا سارا خاندان اہم ہے انیسہ۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا تھا۔ نہ کوئی تمھارے ساتھ کچھ غلط کرے گا نہ تمھیں کسی کے ساتھ غلط کرنے دوں گا۔ آج کے بعد تم اس مسیح لڑکے سے نہیں ملو گی۔

انیسہ ایک پل کے لئے سانس نہیں لے سکی۔ اسکی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

آپ... آپ کو.. کیسے پتہ۔؟ کئی لمحے بعد اسکے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

قیس مسکرایا۔ ایک سیریل کلر کی اپنے شکار کو ایذا دینے کے بعد والی مسکراہٹ۔

،، تمھارے ابا lounge lizard ہو سکتے ہیں۔ چچا معذور ہو سکتے ہیں۔ میں قیس ہوں اپنے خاندان کی باری آجائے تو میری چار آنکھیں اور دس ٹانگیں ہو جاتی ہیں۔ تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں۔

قیس نے اپنی زندگی میں کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔

وہ اسکے سامنے کھڑا تھا۔انیسہ مردہ ہوتی آنکھوں اور سن ہوتے کانوں سے اسے سن رہی تھی۔

جہاں جانا چاہتی ہو جاؤ گھومنا چاہتی ہو گھومو۔پیسہ اڑانا ہے اڑاو لیکن واپس اس گھر میں آنا ہو گا تمھیں۔

میں یہاں ایک بسمل ہوں بھائی۔انیسہ کی آواز زخمی لگتی تھی۔

اس دنیا میں کون بسمل نہیں ہے۔؟ وہ اسے لاجواب کر گیا تھا۔اس میں لوگوں کو لاجواب کرنے کا ہنر تھا۔

چند لمحہ اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ کمرے سے چلا گیا تھا۔انیسہ نے تھک کر بیڈ کی پشت سی ٹیک لگالی۔وہ اس گھر کی سب سے بے بس بسمل تھی۔

www.novelsclubb.com

دن اپنی تمام تر روشنی کو کندھے پہ ٹنگی بوری میں سمیٹے ذات پہ چڑھے سارے اندھیرے آسمان پہ پھیلائے رخصت ہو چکا تھا۔ گوادر شہر پہ پھیلی رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ حاکم نواب کے گھر میں آج سناٹا تھا۔ ابا آج بشر کو لے کر کسی دوست کے یہاں گئے تھے۔ اماں ساتھ والے گھر گئی تھیں۔ اور دادی اس وقت اپنا ڈرامہ ٹائم انجوائے کر رہی تھیں۔

جو واحد آوازیں آتی تھیں وہ گھر کی چھت سے آتی تھیں۔ کونج کی ایکسائٹمنٹ سے بھری آواز اور تحمل سے اسکو جواب دیتی زینیا حاکم۔

اچھا زینی یہ بتاؤ وہاں سب سے ہینڈسم لڑکا کونسا تھا۔؟

اسکی بات پہ تار سے کپڑے اتارتی زینیا کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔ بے اختیاری سی کیفیت میں اسے وہ سبز آنکھیں یاد آئیں۔ اگلے ہی لمحے اس نے سر جھٹکا تھا۔

ہینڈسم تو نہیں لیکن ایک لڑکا تھا جسکی آنکھیں سبز تھیں۔ میں نے آج تک اتنی خوبصورت آنکھیں نہیں دیکھیں۔ اس آدمی کے پاس اگر یہ آنکھیں نہ ہوں تو وہ ادھورا لگے گا۔ لہجہ

عام تھا۔بے حد عام۔اسے اس لڑکے سے کسی قسم کی کشش نہیں محسوس ہوئی تھی۔لیکن بس اسکی آنکھیں ذہن میں اٹک کر رہ گئی تھیں۔

Weirdo

اس نے ایک بار پھر خود کلامی کی۔

کیا تمھیں وہ لڑکا پسند آگیا؟کیا وہ اتنا خوبصورت تھا۔؟تم نے اس سے بات کی کیا کہہ رہا تھا ۔؟چارپائی پہ بیٹھی کونج کا بس نہیں چلتا تھا کہ زینیا کے حلق میں انگلی ڈال کر ساری بات اگلوالے۔اپنی سائز سے بڑے جوڑے میں ملبوس وہ کارٹون لگ رہی تھی۔

بکومت۔میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھے اچھا لگا۔ہاں لیکن اسکی آنکھیں اچھی تھیں۔میں ایک فوٹو گرافر ہوں میں چیزوں سے انکی خوبصورتی سے بہت جلد بور ہو جاتی ہوں۔لیکن میں اسکی آنکھوں کی تصویر ایک ہزار بار لے سکتی ہوں۔اللہ کی قدرت ہے بس۔وہ سرے کپڑے اتار کر کندھے پہ ڈالتی ہوئی چارپائی کی طرف آرہی تھی۔کونج اسکی بات پہ سخت بدمزہ ہوئی تھی۔چہرے کا زاویے بگاڑ لئے۔

مطلب تمھیں وہ لڑکا نہیں بس اسکی آنکھیں اچھی لگیں وہ بھی اپنی فوٹو گرافی کے لئے۔؟

جی بلکل آپ کا خیال درست ہے۔زینیا مسکرائی۔

اچھا زینی ایک بات پوچھوں۔؟کونج سنجیدہ ہو گئی تھی۔زینیا کے ذہن میں فورا الارم بجا تھا ۔وہ جانتی تھی اب کس کی بات ہو گی۔

اس نے کپڑے الگ الگ کرنا شروع کئے۔

پوچھو۔؟

وہ چارپائی پہ رکھے کپڑے تہہ کرنے لگی تھی۔ گردن جھک گئی۔آنکھیں سخت ہو گئی تھیں۔کونج نے ایک محتاط نظر اسکو دیکھا۔گلہ تر کیا۔وہ زینیا حاکم تھی اس سے بات کرنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑتا تھا۔

کیا تم عبداللہ سے محبت کرتی ہو۔؟کیا اس نے تمہارا دل توڑا ہے۔؟کیا اب تم اسکا انتظار نہیں کرتی۔؟اس نے ایک ہی سانس میں سارے سوال پوچھ لئے تھے۔اور اب زرا زرا سے خوف سے اسکا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

زینیا کے دل پہ جیسے کسی نے برچھی پھیر دی ہو۔ابل ابل کر خون رسنے لگا تھا۔یہ نام ہمیشہ تکلیف کیوں دیتا تھا۔؟

مڈل کلاس لڑکیوں کو محبتیں نہیں مسائل ہوتے ہیں۔اوران سب مسائل کے درمیان عبداللہ میرا کمفرٹ تھا۔اسکی آنکھیں چارپائی پہ رکھے کپڑوں پہ ٹکی تھیں۔

مجھے عبداللہ سے کبھی محبت نہیں رہی۔وہ بے حد ہلکی شکستہ آواز میں بولی تھی۔

عبداللہ میرا کمفرٹ زون تھا۔میں اسکے نام کے ساتھ used to ہوگئی تھی۔زینیاکانام آئے گاتوعبداللہ کانام ضرور آئے گا یہ یقین تھا۔

وہ ایک پل کو رکی تھی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا۔عبداللہ اسے رلاتا تھا۔

اس نے میرا دل نہیں توڑا کونج اس نے بس مجھے ڈسٹرب کر دیا ہے۔اس نے مجھے uncomfortable کیاہے۔شاید یہ دل ٹوٹنے سے زیادہ برا ہوتا ہے۔اس نے کندھے اچکائے جیسے وہ ہر بوجھ سے خالی ہوں۔لیکن دل کا کیا۔؟جس پہ منوں کے حساب سے بوجھ لدا تھا۔

www.novelsclubb.com

آدھی زندگی اس جھوٹ کے ساتھ گزر گئی کہ عبداللہ آئے گا۔اب باقی کی آدھی زندگی کا سچ قبول نہیں ہو رہا۔

وہ اب بھی کپڑے تہہ کر رہی تھی انداز میں سستی تھی۔ یا شاید اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے

۔

کونج آزردگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا تمھیں اب اسکا انتظار نہیں ہے۔؟

اور اس بات پہ زینیا کے دل کو دھکا لگا تھا۔ اس نے دانتوں پہ زور دے کر خود کو رونے سے باز رکھا۔ عبداللہ اسے کمزور کر دیتا تھا۔ کئی پل خاموشی کھا گئی۔ کئی لمحے چپ کی نذر ہوئے

۔

میری خواہش ہے کہ وہ پلٹ آئے۔

تاکہ تم اسے معاف کر سکو۔؟

تاکہ میری ناک اونچی ہو سکے۔ وہ مشینی انداز میں بولی۔ میں چاہتی ہوں وہ واپس آئے کوئی ایسا وقت آئے جب وہ مجھے پکارے اور میں نہ جاؤں۔ میں نے کہا ناں مجھے اس سے محبت نہیں ضد ہے۔

کونج اسے دیکھ کر رہ گئی۔ بولی کچھ بھی نہیں۔

اگر کبھی عبداللہ تمھارے سامنے آگیا تو کیا تم اسے پہچان لو گی۔؟آفٹر آل تم نے اسکی آواز سن رکھی ہے۔!

میں اسے نہیں پہچان سکتی۔عبداللہ اور میری بات کے وقت اس نے انکر پٹڈ وائس استعمال کی تھی۔اسے لگا تھا مجھے دھوکہ دے دے گا۔لیکن زینیا حاکم کو دھوکے نہیں وجدان ملا کرتے ہیں۔

تمھیں کیسے معلوم اس نے انکر پٹڈ وائس استعمال کی تھی۔؟

زینیا نے ٹھنڈی نظروں سے اسے دیکھا۔اپنی منگیتر سے بات کرتے ہوئے اسکا لہجہ جتنا مشینی تھا۔اس سے اندازہ لگایا۔

پھر تم اگر عبداللہ سے کبھی ملی تو اسے کیسے پہچان و گی۔؟اسے تجسس ہوا۔

www.novelsclubb.com

اسکی vibe سے۔

اور اسکی vibe کیسی ہے۔؟ترنت سوال ہوا۔

،،عبداللہ کی وائبز انتقامی ہیں۔میں اسے اسکے انتقام سے پہچان لوں گی۔اس نے دعوی کیا۔

،،

تم اسے سے ملنا چاہتی ہو۔؟اگر ہاں تو کیوں۔؟یہ چھوٹی بہنیں اتنے سوال کیوں کرتی ہیں ۔؟

ایک لمحے کے لئے زینیا تھم گئی۔عبداللہ کی آبائی حویلی آنکھوں کے سامنے گھوم گئی۔اس نے لاکھوں مرتبہ عبداللہ کو اپنے ساتھ اس حویلی میں تصور کیا تھا۔

،،میں اس سے ملنا چاہتی ہوں تاکہ میں اس سے اپنا انتقام لے سکوں۔،،

زینیا نے کپڑے ہاتھ میں اٹھائے اور نیچے جانے کو قدم موڑے اس نے ابھی نیچے جاتے پہلے ذینے پہ قدم رکھا تھا جب عقب سے کونج کی آواز آئی۔

www.novelsclubb.com

اور معافی؟کیا تم اسے معاف نہیں کرو گی۔

زینیا ایک پل کو رکی۔کپڑوں پہ گرفت سخت ہوئی۔دل میں جھکڑ چلنے لگے۔

،،زینیا مر جاتی ہے معاف نہیں کرتی۔،،

اسکے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔وہ چلی گئی تو کونج نے گہری سانس لی۔

وہ بھی اپنی بہن سے کیا امیدیں لگا رہی تھی محبت، شادی، گھر بار، یہ عام لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہیں۔وہ تو زینیا حاکم تھی۔ان سب چیزوں سے دور ایک کیریئر فوکسڈ ambitious، اور سخت محنت کرنے والی۔

وہ مختلف تھی۔اسی لئے تو کونج کی آئیڈیل تھی۔اسے اس وقت اپنی بہن پہ فخر محسوس ہوا

۔

کاش وہ اسکے جیسی بن پاتی۔دل میں لاکھوں بار دہرائی جانے والی خواہش ایک بار پھر دہر آئی۔

www.novelsclubb.com

شیشے کی چوکور عمارت قیسم میں آج معمول سے ہٹ کر ہنگامہ آرائی تھی۔یوں لگتا تھا یہاں ملک کے نامور فیشن ڈیزائنرز نہیں بلکہ چھوٹے چوٹھے بازاروں کے دکاندار آگئے ہوں۔شور،الزام تراشی،بے بسی،بے یقینی،یوں لگتا تھا جیسے کسی کی متاع حیات لوٹ لی گئی ہو۔ایک ڈیزائنر کے لئے اسکا کام متاع حیات ہی تو ہوتا ہے۔

دوسری منزل پہ واقع سٹوڈیو جہاں کئی سارے مجسمے تھے۔جہاں ہر ڈیزائنر اپنے کام کو آخری ٹچ دیتا تھا۔وہ سٹوڈیو اس وقت صدمے کی زد میں تھا۔وجہ ؟کیا ہو سکتی ہے بھلا؟ ایک رات قبل واصف نصیر کی چوری ہو جانے والی اسکیچ بک۔سٹوڈیو سے ملحقہ واصف کے چھوٹے کوزی آفس میں اس وقت ہر جگہ کاغذات بکھرے تھے۔دراز کھلے ہوئے تھے۔ڈبے پھاڑ کر یہاں وہاں پھینک رکھے تھے۔پینٹنگز،پودے،آرائشی سامان ہر شے فرش نشین ہو رکھی تھی۔واصف اس وقت اپنے آفس میں نہیں تھا وہ ساتھ والے سٹوڈیو میں تھا۔چلا چلا کر اسکا گلا بیٹھا جاتا تھا۔

تم لوگوں نے ہی اٹھایا ہو گا....تم لوگوں نے برباد کیا ہے مجھے....وہ میری زندگی بھر کی کمائی تھی...چار سال لگے ہیں مجھے اس ایک اسکیچ بک پہ شاہکار بنانے میں۔

وہ کوئی اٹھائیس انتیس برس کا خوبرو مرد تھا۔اسکا چہرہ سرخ تھا آنکھیں بے رونق۔یوں لگتا تھا وہ ابھی مر جائے گا۔اسکا بس نہیں چلتا تھا مر جائے۔

چند لوگ اسے سنبھال رہے تھے چند چڑھ دوڑے تھے۔وہ ملک کے نامور ڈیزائنرز تھے کوئی گرے پڑے نہیں۔جو چوریاں کرتے پھریں۔

میں ایک ایک کو دیکھ لوں گا۔میں ایک ایک پہ ایف آئی آر کروں گا۔تم لوگ ابھی مجھے جانتے نہیں ہو۔واصف نصیر ہوں میں۔

وہ ایک بار پھر بھرے ہوئے سٹوڈیو میں غرآیا تھا۔انگلی اٹھا کر ایک ایک کو وارن کرتا وہ کوئی جنونی لگ رہا تھا۔

اس ملک میں اس انڈسٹری میں میرا ایک نام ہے۔میں برباد ہوا تو تم سب کو برباد کروں گا

۔

www.novelsclubb.com

،، قیسم میں کسے آباد کرنا ہے اور کسے برباد یہ میں طے کرتا ہوں۔،،

اس بھاری رعب دار آواز پہ سارا شور تھم گیا تھا۔ نظریں اٹھیں تو وہ نظر آیا۔ نیوی بلیو سوٹ میں ملبوس بالوں کو اچھے سے سیٹ کیے وہ نک سے سے تیار چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ آنکھیں سنجیدہ چہرہ سپاٹ۔

،، یہ میری سلطنت ہے یہاں بلند آواز صرف میری ہو گی۔ اگر میرے علاوہ کسی کی ہوئی تو اس آواز کو دبا دینا آتا ہے مجھے۔،،

وہ آرہا تھا سنجیدہ چہرے اور سپاٹ تاثرات کے ساتھ۔ اسکے قدم کبھی عتاب ہوتے تھے تو کبھی کذاب۔ وہ اپنے ساتھ طوفان بھی لاتا اور انکو روکنے کے اسباب بھی۔ کبھی وہ سمندر کی مانند پر سکون ہوتا تھا اور کبھی اندھیرے کی بارش کی مانند کڑک دار۔ وہ ایک شخص تھا چہرے پہ کئی مکھٹ سجا رکھے تھے۔ ہر مکھٹ کے پیچھے ایک نیا چہرہ۔ لیکن کیوں اسکے کسی انداز سے نفرت نہیں ہوتی تھی۔؟

www.novelsclubb.com

باس میری اسکیچ بک۔ وہ میرا کیریئر تھی۔ میری زندگی۔

واصف نصیر بے قراری سے آگے آیا تھا۔ اسکی آنکھیں کسی بھی پل بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے کو تیار تھیں۔ وہ بے چین تھا۔

میں برباد ہو سکتا ہوں۔ایک ہزار ڈیزائن۔میرے ایک ہزار شاہکار۔اوہ خدایا یہ کیا ہو گیا۔ باس پلیز باس کچھ کریں۔میں برباد ہو جاؤں گا۔اسکے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔وہ سخت مضطرب تھا۔اسکی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

قیس نے ایک طائرانہ نگاہ سارے لوگوں کو دیکھا۔اسکی آنکھیں اسکین کر رہی تھیں۔

ایک ہزار ڈیزائن؟لیکن میں نے تو تمھیں ایسا کوئی کام دیا ہی نہیں۔؟

وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔مگر اسکی اس بات پہ واصف کی رنگت سفید پڑی تھی۔قیس ایک لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔وہ قیس کو سننے کی بجائے تیز تیز موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی۔

تم میری طرف سے ان دنوں بی قیو پراجیکٹ پہ کام کر رہے تھے۔جس میں تمھیں صرف اور صرف پندرہ ڈیزائن دینے تھے۔جو کہ تم دو دن پہلے دے چکے ہو۔اس نے اشارے کے ساتھ پاس کھڑی ایک لڑکی کو بلایا۔لڑکی اپنے سینے پہ انگلی سے دستک دیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔میں؟وہ اچھنبا لئے آگے آ رہی تھی۔اور قیس اب بول رہا تھا۔

میرے پاس تمھارے وہ پندرہ ڈیزائن سیف ہیں۔ موجود ہیں پھر تم کن ایک ہزار ڈیزائنز کی بات کر رہے ہو۔؟ وہ اسکی طرف نہیں مڑا۔

اپنی لپسٹک کم کر آیا کرو اتنے گہرے رنگ میرا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔ آخری بات اس نے اسی لڑکی سے کہی تھی۔ اسکا چہرہ ہتک سے سرخ ہوا تھا۔ ساتھ کھڑے واصف کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید پڑ رہا تھا۔ قطرہ قطرہ موت کے معنی اسے اس وقت سمجھ آ رہے تھے۔

مم.. میں آپ کو سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔ میں نے بس....

کیا تمھیں کسی پہ شک ہے۔؟ قیس اب کے مکمل طور پہ اسکی جانب متوجہ تھا۔ اسکے لہجے میں کوئی پرسراریت نہیں تھی۔

واصف نے تھوک نگلا۔ چہرے پہ بادقت نارمل تاثرات رکھے۔

مجھے کسی پہ شک نہیں۔ بس اگر آپ میرے لئے سی سی ٹی وی اور سیکورٹی کے دروازے کھول دیں تو...

کیا تمھیں واقعی کسی پہ شک نہیں۔؟ قیس نے اسکی بات کاٹی تھی۔ اسکی آنکھیں سنجیدہ تھیں بغیر کسی رعایت کے بغیر کسی لچک کے۔

آپ کل رات وہاں جاتے دکھائی دیئے تھے۔وہ بامشکل بول سکا۔آپ محتاط تھے اور آپ کے ہاتھ میں گن بھی تھی میں بس یہ کہنا چاہ رہا ہوں۔۔۔۔

کیا تمھیں مجھ پہ شک ہے۔؟آہ اسے لمبی لمبی باتیں نہیں پسند تھیں۔

ننہ.. نہیں سر میرا یہ مطلب نہیں تھا۔میں بس آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کیا وہاں کوئی تھا ۔؟کیونکہ وہاں کوئی سی سی ٹی وی نہیں ہے۔میں انٹری اور ایگزٹ کی فوٹیج چیک کرنا چاہتا ہوں۔شاید کوئی سراغ مل جائے۔میری محنت ہے باس میں نے کئی سال لگائے ہیں اس ایک اسکیچ بک پہ۔

قیس اسکے قریب آکر رکا۔سیاہ سنجیدہ آنکھیں اسکے چہرے پہ گاڑ دیں۔

،،ایک ہفتہ ہے تمھارے پاس ڈھونڈ لو تو جو تمہارا دل چاہے۔اور اگر نہیں ڈھونڈ سکے تو جو قیس کا دل چاہے۔،،

www.novelsclubb.com

مجھ سے لے کر میرے مرے ہوئے باپ تک شک کرو۔مجھ تک بندہ لاؤ۔اور پھر جو تمہارا دل چاہے۔

وہ کہہ کر مڑا تھا۔واصف کی جان میں جان آئی۔ قیس ابھی دروازے پہ تھا جب واصف کی آواز پہ رکا۔

،،کل رات جب آپ وہاں گئے تو کون تھا۔؟

وہ ایک بلی تھی۔وہ ترنت بولا۔ قیس نے واقعی سچ کہا تھا۔چند پل دروازے پہ جمے رہنے کے بعد وہ مڑ گیا تھا۔اسکے جاتے ہی ایک بار پھر ہڑ بڑی مچ گئی۔

اسے جلد از جلد اپنا کام کرنا تھا۔ کیونکہ اگر نہیں کر سکا تو جو قیس کا دل چاہے۔

www.novelsclubb.com

گوادر پورٹ پاکستان کا بہت بڑا تجارتی پورٹ ہے۔ یہاں سے کئی ملکوں کے ساتھ تجارت کی جاتی ہے۔ گوادر پورٹ پاکستان کے تجارتی کام کے لئے سونے کا انڈا تھا۔ یہاں ہر دن کئی بحری جہاز آکر رکتے اور کئی کسی دوسرے ملک نئی ہواؤں میں بھیجے جاتے۔

نیلے سمندر کے سینے پہ اس وقت کئی بڑے بڑے بحری جہاز کھڑے تھے۔ سمندر تک جانے کے لئے کئی جگہ راستے بنائے گئے تھے۔ گوادر کے نوے فیصد سے زیادہ لوگوں کا پیشہ ماہی گیری ہوتا ہے۔اس وقت بھی کئی ماہی گیر اپنے اپنے جال سمیٹے اپنے کام کو جا رہے تھے۔ایسا ہی ایک بحری جہاز اس پہر سمندر کا سفر کرنے کو تیار تھا۔

مہدی کمبیر کا گروپ سمندر کی ریت پہ قدم دھرے ہوئے تھا۔بس تھوڑی ہی دیر میں اس جہاز کا کپتان آ جاتا اور پھر شروع ہوتا سمندر کا سفر۔ نیلا پانی۔لہریں موجیں اور آس پاس کے پہاڑ ایسا نظارہ کسی انسان کو اگر مل جائے تو دنیا جنت ہے۔

زینیا حاکم نے آج کاسنی رنگ کا لگھا پہن رکھا تھا۔یہاں مرد زیادہ تھے سو اس نے دوپٹے سے ہی نقاب کر رکھا تھا۔بلوچستان کے چھوٹے گاؤں اور چھوٹے شہروں میں رہنے والے لوگ اپنے رسم و رواج کے سخت پابند ہوتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

یہاں عورتوں کو بلا ضرورت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔بلکہ کچھ برس پہلے تک تو لوگ اپنی بچیوں کو پانچویں یا آٹھویں تک پڑھانے کے بعد یا تو گھر بٹھا لیتے تھے۔یا پھر شادی کرا دیتے تھے۔بلوچستان میں آج بھی چائلڈ میرج کا رجحان بہت زیادہ ہے۔

وجہ یہاں کے لوگوں کی تعلیم و شعور سے دوری ہو سکتی ہے۔ لیکن جدید دور اور تعلیم کا بڑھتا رجحان لوگوں کی سوچ تبدیل کر رہا ہے۔اب والدین اپنے بچوں کو اچھے مستقبل کی خاطر بڑے شہر بھی بھیج دیتے ہیں۔

زینیا اس وقت گروپ کے تمام لوگوں کی اکھٹی تصاویر اتار رہی تھی۔ذرا فاصلے پہ کھڑے بحری جہازوں کے ساتھ لڑکے لڑکیاں یوں پوز بنا رہے تھے جیسے وہ گر رہے ہوں اور جہاز نے سہارا دے دیا ہو۔

کسی نے یوں پوز بنایا تھا کہ جہاز کو ایک انگلی اور انگوٹھے کے درمیان سے پکڑ کر سمندر کی سطح پہ رکھ رہا ہو۔ مہدی ان لوگوں سے ذرا الگ تھلگ کھڑا تھا۔ریت کے اوپر بچھی ہوئی دری کے اوپر چائے اور تھرماس رکھا تھا۔اور یہ سبز آنکھوں والا لڑکا آدھا تھرماس خالی کر چکا تھا۔پس منظر میں کلاسک موسیقی بج رہی تھی۔

www.novelsclubb.com

،،سب کچھ سیکھا ہم نے نہ سیکھی ہوشیاری۔،،راج کپور کی فلم کے پرانے گانے۔

باقی لوگوں نے اب تصاویر کے لئے بس کہہ دی تو زینیا نے ایک بار پھر مہدی کو دیکھا۔ کیا کرے وہ اس آدمی کا ہر دن یہ ٹف ٹائم دیتا تھا۔ کیا ہوا گر تصاویر کھنچوا لے اور اسکے بعد چاہے جو مرضی کرے۔

بشر اسکے عقب میں کھڑا تھا۔ اسے فون پہ فون آئے جا رہے تھے۔ اسکا کام بھی تو ایسا تھا۔ ہول سیل ریٹ میں آنے والا آٹا اسکے گودام میں آتا تھا۔ اور پھر یہاں سے شہر کے چھوٹے بڑے دکانوں اور ڈھابوں پہ جاتا تھا۔ ہر بوری پہ بیس تیس روپے کا فائدہ ہوتا تھا۔ لیکن اصل کام وصولی کا تھا۔ ہوٹل مالکین اور دکاندار وقت پہ پیسے نہیں دیتے تھے۔ اور بشر کا کام مزید بڑھ جاتا تھا جیسے اس وقت بڑھا ہوا تھا۔ وہ فون پہ بکتے جھکتے فاصلے پہ کھڑا ہو گیا تھا۔

میں BTS شوٹ کرنے لگا ہوں۔ مس زینیا آپ اب مہدی کی پکچرز لیں گی۔ یہ آواز سعد کی تھی۔ مہدی کے گروپ کا پچیس سالہ امیر باپ کا لڑکا۔ فاصلے پہ ہونے کے باوجود بشر نے اسکی آواز باخوبی سنی تھی۔ مٹھیاں بھنچ گئیں۔ گردن کی نسیں ابھر کر واضح ہوئیں۔

آپ BTS شوٹ نہیں کر سکتے۔یہ میرے کانٹریکٹ میں نہیں ہے۔زینیا متانت سے بولی تھی۔اب کے مہدی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آیا تھا۔چائے کا مگ ہاتھ میں ہی تھا۔بشر بھی کال کاٹتے ہوئے اسی جانب آرہا تھا۔

،،یہ کیسا کانٹریکٹ ہے۔؟میں ہر دفع ہر ٹرپ پہ BTS شوٹ کرتا ہوں۔انسٹا پہ میرے ڈیڑھ لاکھ فالوورز ہیں ان سب کو میرے ویڈیوز کا انتظار ہے۔تم اگر شوٹ نہیں بھی کروانا چاہتی تو میں کروں گا۔وہ گویا ضد پہ اڑ گیا تھا۔،،

،مہدی اور باقی سب اب زینیا اور سعد کو دیکھ رہے تھے۔ایک پل کے لئے بشر کے جی میں آیا تھا کہ ابھی دو ہاتھ کر کے اس لڑکے کو سیدھا کر دے لیکن پھر وہ رک گیا۔زینیا اسے دیکھ رہی تھی۔اپنے بھائی کی موجودگی میں کیا کہتی۔؟اسے بس اپنے بھائی کی موجودگی خاموش کئے ہوئے تھی۔

www.novelsclubb.com

گروپ کے لوگ اب سعد سے بات کر رہے تھے۔بس ایک مہدی تھا جو چپ چاپ سب کو دیکھے گیا۔

بشر آگے آیا زینیا کی آنکھوں میں دیکھا۔ سنہری آنکھیں۔ کیا وہ اس لڑکی کو دوسرے شہر بھیجنے جیسی جرات کر سکتا تھا۔؟ کیا یہ لڑکی اسکے لائق ہے۔؟ گروپ کی باتیں سعد کو سمجھاتے اور کچھ بھڑکاتے ہوئے لوگ۔ ان سب کے درمیان دو بہن بھائی تھے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ بہن کی آنکھیں کہہ رہی تھیں۔

Let me handle this

نہ کسی نے سوال کیا نہ کچھ بات کی۔ بھائی نے محض ایک بار اپنی آنکھیں جھپکیں۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔

،،بولو زینیا حاکم،،

وہ ٹھہر گئی۔ یقین نہیں آتا تھا۔ اس نے سینے پہ انگلی رکھ کر ایک بار پھر یقین دہانی چاہی۔

،،میں،،؟

www.novelsclubb.com

بشر اب بھی کچھ نہیں بولا ایک بار پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی۔ اب کے وہ مڑی تھی۔ ان لوگوں کی جانب جو اسے گرا رہے تھے۔ اسکے عقب میں بشر کھڑا تھا۔ آپ کے گھر کا مرد اگر آپ کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو غیر مرد کبھی گرا نہیں سکتے۔

bTS شوٹ نہیں ہو گا۔ہاں اگر آپ کو مسئلہ ہے تو آپ اپنے لئے کوئی دوسرا فوٹو گرافر ارینج کر سکتے ہیں۔وہ بازو سینے پہ لپیٹے ہوئے تھی۔آنکھوں میں مان تحفظ جیسا جذبہ نہیں تھا۔آنکھیں کسی ملکہ بد کی آنکھیں لگتی تھیں۔

،،ہاوڈیئریو۔؟تم مجھے ناں کہہ رہی ہو۔تم کہہ رہی ہو تم میری تصویریں نہیں لو گی۔،،وہ بے یقینی سے کہہ رہا تھا۔

،،تم مجھے ناں کہو اس سے پہلے میں تمھیں یہاں سے نکالتا ہوں۔آج اور ابھی سے تم ہماری فوٹو گرافر نہیں ہو۔اپنا سامان اٹھاؤ اور جاؤ یہاں سے۔گاؤدی۔،،آخری لفظ میں حقارت تھی۔

،،زینیا مسکرائی تھی۔یہاں سے تو مجھے میں بھی نہیں نکال سکتی۔ہمارے کانٹریکٹ کی شق نمبر 23 میں صاف صاف لکھا ہے کہ ان تین دنوں کے لئے آپ میرے علاوہ کسی اور فوٹو گرافر کو نہیں بلا سکتے۔،،

شق نمبر 22 میں میں نے اپنے بیس ہزار قربان کر کے صرف اور صرف چالیس ہزار پہ معاہدہ کیا ہے۔کیونکہ میں bts نہیں شوٹ کروا سکتی۔میں یہاں آنے کی قیمت ادا کر

کے آئی ہوں۔وہ دھیمی آواز میں جتا رہی تھی۔مہدی اسے بولتے دیکھ مسکرایا تھا۔چائے کے سامنے اسے دنیا نہیں دکھتی تھی۔لیکن یہ لڑکی اور اسکی باتیں۔چلو چائے کو ٹال دیا جائے۔

تم مجھے جانتی ہو میرے باپ کو جانتی ہو۔؟تم۔

،،میں اپنے باپ کو جانتی ہوں۔زینیا نے اسکی بات کاٹی۔اور میرا باپ کہتا ہے۔مجھ جیسی ڈھیٹ اس دنیا میں،میں ہی ہوں۔،،

،،آپ مجھے نہیں نکال سکتے۔ہاں آپ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے لئے اس بیابان میں نیا فوٹو گرافر ڈھونڈ لیں یا پھر اپنے پاپا کو کال کر لیں۔،،اس نے پاپا پہ زور دیا تھا۔

جو جو مجھ سے تصاویر نہیں کھنچوانا چاہتا۔وہ انکے ساتھ یہیں کھڑا رہے باقی میرے ساتھ جہاز تک آئیں۔وہ بول کر مڑ گئی تھی۔مہدی نے دلچسپی سے اسے جاتے دیکھا۔بشر نے سکون سے۔

وہ یہاں نمٹ سکتی تھی۔وہ کہیں بھی نمٹ سکتی تھی۔اسکا دل ہلکا پھلکا ہونے لگا۔

اچھا آج آپ مجھے بتائیں گی کہ آپ کا آئیڈیل کون ہے اور کیوں ہے۔؟

فرسٹ ائیر کی کلاس میں آج میڈم بشری نے ایک نیا ٹاپک ڈھونڈ نکالا تھا۔ سفید یونیفارم اور گلابی دوپٹوں والی لڑکیاں یکدم پرجوش ہو گئی تھیں۔ میڈم بشری صاف ستھری رنگت اور فربہہ جسم والی عورت تھیں۔ کرسی پہ بیٹھی وہ مسکراتے ہوئے ایک ایک لڑکی سے انکا آئیڈیل جاننا چاہتی تھیں۔

آپ بتائیں مسکان آپ کا آئیڈیل کون ہے۔؟اور کیوں۔؟

www.novelsclubb.com

دبلی پتلی مسکان اپنی جگہ پہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

،، میم میرے آئیڈیل علامہ اقبال ہیں۔ جس طرح انہوں نے مسلمان قوم کے اندر شعور جگایا۔انہیں بتایا کہ کیسے اور کس طرح سے وہ ایک غلام قوم بنتے جا رہے ہیں۔ میں بھی اپنی زندگی میں انکے جیسا بڑا کام کرنا چاہتی ہوں۔،،

شاباش بچے اللہ آپ کو ہمت دے۔ میڈم نے حوصلہ افزائی کی تھی۔

کونج حاکم آپ بتائیں آپ کا آئیڈیل کون ہے اور کیوں ہے؟

سانولی رنگت اور مڑی ہوئی پلکوں والی کونج اٹھی تھی۔ ساری کلاس اسے دیکھ رہی تھی۔ ذہن میں بھاری بھاری تقریریں تھیں۔ لیکن زبان تالو سے چپکی ہوئی تھی۔ آہ یہ دیسی لڑکیوں کا لو کانفڈینس ہونا۔

کونج بیٹا کیا ہوا۔؟ کیا آپ کا کوئی آئیڈیل نہیں ہے۔؟ میڈم نے ایک بار پھر نرمی سے پکارا ۔کونج نے بہت سارا تھوک نگلا۔ الفاظ متجمع کئے۔

،، میری آئیڈیل میری بہن ہے۔،، وہ ہلکی آواز میں بولی۔ زینیا حاکم۔ اس نے اضافہ کیا۔ مجھے اگر کبھی زندگی میں کچھ بننے کا موقع ملا تو میں اسکے جیسی بننا چاہوں گی۔ میں اسے فالو

کروں گی۔اسی کی طرح زندگی کے فیصلے کروں گی۔وہ تیز تیز بول رہی تھی۔الفاظ بے ترتیب تھے۔

اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔گلہ خشک ہو رہا تھا۔ساری کلاس کی نظریں اپنے اوپر پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔کاش وہ زینیا سے اسکے کپڑوں،جوتوں کو چھوڑ ذرا سا اعتماد لے سکتی۔

آپ کی بہن زینیا حاکم۔؟آپ انکے جیسی کیوں بننا چاہتی ہیں۔انکے پاس ایسا کیا ہے۔؟ کونج نے اس وقت خود کو ڈھیروں ڈھیر گالیاں دے دی تھیں۔آخر اس نے منہ کھولا ہی کیوں؟اب کیا بتائے گی۔؟اسکے پاس سمجھانے کو الفاظ کہاں تھے۔؟رو دینے جیسی آنکھوں اور تالو سے چپکی زبان کو کھول کر اس نے کہنا شروع کیا۔

میری بہن بہت الگ ہے میم۔ساری دنیا سے الگ۔وہ لوگوں کو اپنا فائدہ اٹھانے نہیں دیتی ۔

(تم نے ایک بار پھر اس لڑکی کو اپنے نوٹس دے دیئے کونج۔؟تم جانتی ہو ناں وہ بس تمھارے ناں نہیں بول پانے کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔؟زینیا اس سے سختی سے استسفار کر رہی تھی۔کونج نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

میں کیا کروں زینی۔؟اس نے مجھ سے میرے نوٹس مانگے اور میں منع نہیں کر سکی۔اس نے کہا تھا وہ جلدی واپس کر دے گی۔اور میرے نوٹس پہ بس غلطی سے چائے گری تھی

۔

زینیا نے ترحم بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

دنیا میں اگر بے وقوفوں کے نام کا کوئی تمغہ ہوتا۔تو اسے کونج حاکم کے حوالے کیا جاتا۔وہ تاسف سے بولی۔)

وہ لوگوں کی چالوں میں نہیں آتی۔اور اگر آجائے تو اسکے بعد چالیں انہی لوگوں پہ الٹ دیتی ہے۔

(تو تم مجھے یہ بتانا چاہ رہی ہو کہ تمہاری کلاس فیلوز نے اپنے لئے بات کرنے کو تمھیں آگے کیا۔لیکن اسکے بعد وہ سب پیچھے ہٹ گئیں۔؟اور تم اکیلی میڈم کے آفس تک گئیں

۔؟براوو کونج براوو۔زینیا کا بس نہیں چلتا تھا اسکا گلہ گھونٹ دے۔اسکا چہرہ تپ رہا تھا۔ تنفس تیز ہو رہا تھا۔

زینیا تم آخر سمجھ کیوں نہیں رہیں؟؟ہاں میں جانتی ہوں ان لوگوں نے مجھے استعمال کیا ،لیکن میں اب کیا جاہلوں کی طرح ان سے لڑنے لگ جاتی۔؟اور ویسے بھی میں نے انکو ایسی نظروں سے دیکھا تھا کہ وہ سب سمجھ گئیں۔کہ مجھے انکی حرکت بری لگی ہے۔

زینیا نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

،،الفاظوں کا مقابلہ تاثرات نہیں کر سکتے۔ تمھیں انکو کنفرنٹ کرنا چاہیے تھا۔نہ کہ خاموشی سے واپس آجانا چاہیے تھا۔کوئی تمھارے ساتھ غلط کرے تو اپنے الفاظوں کے ساتھ اسے بتاؤ کہ اس نے غلط کیا ہے۔

www.novelsclubb.com

it's embarrassing

وہ ہلکی آواز میں بولی۔

No it's confronting اسکی آواز مستحکم تھی۔)

وہ خاندان میں پر فیکشنسٹ مشہور ہے۔عام لڑکیوں کی طرح اسکا دن ڈرامے اور میک اپ ٹٹوریل دیکھتے ہوئے نہیں گزرتا۔بلکہ اسکا سارا دن نت نئی زبانیں سیکھنے اور مشینیں جوڑنے میں گزرتا ہے۔وہ الگ ہے بے حد الگ۔

(،،زینی اکبر چچا چائنا سے تمہاری آٹو میٹک ہیٹ گن لے آئے ہیں۔اماں کے پاس رکھی ہے لے لو۔،،کمرے کے پلنگ پہ بیٹھی کونج الماری میں منہ دیئے کھڑی زینیا سے کہہ رہی تھی۔

،،ویسے عجیب ہو تم۔لڑکیاں دوسرے ملکوں سے میک اپ منگواتی ہیں اور تم جدید مشینری سامان۔کونج نے کہتے ساتھ برا منہ بنایا۔،،

زینیا نہیں پلٹی الماری میں کپڑے جوڑ جوڑ کر رکھتی وہ مصروف تھی۔

پچھلی بار میک اپ ہی منگوایا تھا۔اس بار ان چیزوں کی ضرورت تھی۔نہ وہ لڑکیاں بری ہیں جنہیں میک اپ پسند ہے۔اور نہ وہ لڑکیاں نیک ہیں جنہیں میک اپ نہیں کرنا آتا۔

ایک لفظ ہے،،مختلف،،ہر لڑکی بس وہی ہے۔وہ اب پیچھے ہٹ کر ٹھہر گئی تھی۔ستائش سے اپنے رکھے کپڑے اور سامان کو دیکھ رہی تھی۔

کیاملتاہے تمھیں یہ ساری چیزیں جوڑ جوڑ کر رکھنے سے۔؟

مجھے میری چیزیں وقت پہ ملتی ہیں۔اس نے جتایا۔

میں توخوف سے تمہاری سائیڈ کی الماری بھی نہیں کھولتی۔ کہیں میرے کھولنے سے ہی خراب نہ ہو جائے۔

اماں کہتی ہیں جانور بھی اپنی جگہ صاف کر کے بیٹھتا ہے۔زینیا اسکی الماری کا دروازہ کھول کر کچھ جتا رہی تھی۔

شکر ہے میں انسان ہوں۔کونج نے سکھ کا سانس لیا۔)

وہ جب بات کرتی ہے تو سب سنتے ہیں۔اسے بات کرتے ہوئے دس بار دل پہ ہاتھ رکھ کر دھڑکن برابر نہیں کرنی پڑتی۔وہ آنکھیں چرا کر نہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی ہے۔میری طرح نہیں ہے وہ جو آدھی بات کہے اور آدھی کسی کی ناراضگی کے خوف people سے دل کے اندر رکھ لے۔وہ کسی کے خوف سے اپنی رائے نہیں دباتی۔وہ pleasure

نہیں ہے۔میری طرح۔آخری لفظ اس نے دل میں کہا تھا۔

(وہ دونوں بشر کے ساتھ ایک بڑے ریستوران میں بیٹھی تھی۔آج بشر کو اچھا خاصا فائدہ ہوا تھا۔ جسکی خوشی میں آج وہ بہنوں کو کھانا کھلا رہا تھا۔

انکی دائیں جانب والی میز پہ ایک چائنیز جوڑا بیٹھا تھا۔کافی دیر سے وہ جوڑا ویٹر کو اپنی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔لیکن وہ سمجھ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔

کیا میں آپ کی مدد کروں۔۔؟شستہ انگریزی میں پوچھنے والی زینیا تھی۔کونج دل مسوس کر رہ گئی۔انگریزی تو اسے بھی آتی تھی۔بس اگر تھوڑی ہمت کر لیتی۔تھوڑی دیر میں وہ اس جوڑے سے بات کر کے ویٹر کو انکا آرڈر سمجھا چکی تھی۔

،،اس ریستوران کے مالک کو چاہیے کہ ان کم عقل ویٹرز کو نکال کر آپ جیسے انگریزی سمجھنے اور بولنے والوں کو رکھا جائے۔،،

چینی عورت کی بات کونج کو بری لگی تھی۔لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔اسے خوف تھا کہ کہیں جھگڑا ہی نہ ہو جائے۔زینیا نے پر سکون نظروں سے اس عورت کو دیکھا۔کونج کا شدت سے دل چاہا تھا کہ اسے روک لے۔ہر جگہ آپ کی رائے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

،،مجھے آپ کی بات سے اختلاف ہے۔وہ نرمی سے بولی۔اگر اس ویٹر کو انگریزی نہیں آتی ۔تو آپ کو بلوچی اور اردو نہیں آتی۔کیا بہتر نہیں تھا آپ کی کمپنی کسی اور کو بھیج دیتی۔جسے مختلف زبانیں آتی ہوتیں؟،،

وہ کسی کی ناراضگی کے خوف سے اپنی رائے دل میں رکھتی تھی۔)

اسے اپنے فیصلوں پہ اعتماد ہوتا ہے۔اسے اپنی پسند پہ اعتماد ہوتا ہے۔وہ جانتی ہے جو چیز جو کام اس نے کیا ہے وہ درست ہے۔اپنے ہی فیصلوں پہ ایک ہزار بار بیٹھ کر سوچنا یہ اسکا کام نہیں ہے۔

(شاپنگ سے آنے کے بعد حسب معمول کونج سارے تھیلے کھولے بیٹھی تھی۔اپنی پسند کے جوڑے،جوتے،جیولری اسے سب بے کار لگ رہا تھا۔

وہیں دوسری جانب زینیا حاکم کی چیزیں تھیں۔جنہیں وہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔زینیا اسکے قریب ہی بیٹھی تھی۔سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی۔

،،جب تمھیں یہ جوڑے پسند نہیں تھے تو لئے کیوں۔؟اور اگر لے لئے ہیں تو کسی کی وجہ سے دل کیوں خراب کر رہی ہو۔؟زینیا سنجیدہ تھی۔کونج نے منہ بسورا۔

،،مجھے تو اچھے لگ رہے تھے۔بلکہ اب بھی اچھے لگ رہے ہیں۔لیکن نبیلہ باجی کہتی ہیں یہ رنگ اچھا نہیں۔،،

،،تو کیا تم دوسرے لوگوں کی باتوں سے اپنے فیصلوں پہ شک کرو گی۔؟،،

،،شک کیا کرنا ہے میرے فیصلے ہوتے ہی غلط ہیں۔،،وہ اداسی سے بڑبڑائی۔)

اسکے ارادے اونچے ہیں۔اسکی اڑان بلند ہے۔عام لڑکیوں کی طرح اسکا خواب صرف ایک کامیاب شادی اور بچے نہیں ہیں۔اسے اونچا گھرانہ اور امارات ایک مرد سے نہیں چاہیے۔اسے کم چاہیے لیکن اپنا چاہیے۔جس دن میں اسکے جیسی بن گئی میری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔کونج اپنی بات ختم کر چکی تھی۔ساری کلاس میں جیسے ایک سحر سا طاری ہوا تھا۔

آپ کی بہن واقعی ایک انسپریشن ہیں۔ہر لڑکی کو اسکے جیسا ہونا چاہیے۔میڈم کی حوصلہ افزائی پہ کونج مسکرائی تھی۔اسے اپنی بہن کی تعریفیں اچھی لگا کرتی تھیں۔

جہاز نیلے سمندر میں سفر کر رہا تھا۔ سمندر کی تیز نم ہوائیں سیاحوں کے وجود سے ٹکرا ٹکرا کر پلٹ جاتی تھیں۔ شاید کچھ دیر اور رہنے کی منت کرتی تھیں۔ یا شاید احوال پوچھنے آتی تھیں۔ جہاز کے دہانے پہ کھڑا مہدی آنکھیں موندے ان ہواؤں کو خود سے ٹکرانے دیتا تھا۔

اس نے سیاہ گول شرٹ کے اوپر نیلا جیکٹ پہن رکھا تھا۔ ساتھ بیگی ٹراؤزر۔ وہ اتنے ہلکے پھلکے حلیے میں رہتا تھا کہ اسے دیکھ کر رشک آتا تھا۔ کافی دیر اسی طرح کھڑے رہنے کے بعد اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ جہاز کے عرشے کی دائیں طرف وہ کھڑی تھی۔ وہی جس کی آنکھیں سنہری تھیں۔ جسکا قد اونچا تھا۔ سمندر کی طرف چہرہ کئے وہ محضوض نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بس غور سے پانی کی لہریں بنتی دیکھ رہی تھی۔ اطراف میں کھڑے اونچی مٹیالے پہاڑ بھی اسے دیکھ رہے تھے۔

،، کیا تمھیں سمندر پسند ہے۔؟،، مہدی دھیرے دھیرے چلتا ہوا اسکے قریب آیا تھا۔

کچھ خاص نہیں۔وہ مڑی نہیں۔

،،تم اس طرح سے دیکھ رہی تھی مجھے لگا تمھیں سمندر بے حد پسند ہے،،۔اب وہ اس سے ذرا فاصلے پہ آکر کھڑا ہوا تھا۔زینیا اب بھی بھاگتے ہوئے جہاز کی رفتار دیکھ رہی تھی۔

،،میری زندگی میں سمندر کی محبت کے علاوہ بھی بہت کام ہیں۔میں مشینوں کی رفتار دیکھ رہی ہوں۔،،آخر میں اسکا لہجہ لیا دیا تھا۔مہدی کو یہ لڑکی پر سرار لگتی تھی۔

تم زندگی کو اپنے لئے اتنا مشکل کیوں بنا رہی ہو۔؟وہ جاننا چاہتا تھا۔

،،کیونکہ میں اسے اتنا آسان نہیں بنا سکتی جتنا آپ سمجھتے ہیں۔،،اب کے وہ سیدھی ہوئی تھی۔اپنے سے ذرا فاصلے پہ کھڑے سبز آنکھوں والے لڑکے کو دیکھا۔سورج زینیا کے پیچھے تھا۔مہدی اسکے عقب میں سورج کو دیکھ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

،،آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں زندگی کو مشکل بنا رہی ہوں۔؟،،نارمل سوال تھا۔

مہدی نے گہری سانس اندر کھینچی۔

،، سمندر، پہاڑ، ٹھنڈی ہوا، لوگ، کھانا، ان سب کے درمیان تم مشینوں کی رفتار دیکھ رہی ہو۔ زندگی کو انجوائے کرنے والے لمحوں میں تم زندگی کو دوڑا رہی ہو۔ شاید تمھیں مشکل رہنے کا شوق ہے۔،،

مہدی نے قیاس لگایا تھا۔ جہاز کے عرشے سے ٹیک لگائے کھڑے شخص کو اس نے نظر بھر کر دیکھا۔

،، سمندر، پہاڑ، ہوائیں، کھانا، لوگ ہر کوئی اپنے اندر ایک جہنم ایک دروغا ہیں۔ ان سب سے بچانے کے لئے مشینیں کام آتی ہیں۔ میں انکی خوبصورتی میں کھو کر انکے اندر کی جہنم نہیں بھولنا چاہتی۔ زندگی اتنی آسان نہیں ہوتی جتنی آپ کو لگتی ہے۔،،

اتنی مشکل بھی نہیں جتنی تم بنا کر رہی ہو۔ آہ یہ شخص اتنا کیوں بولتا تھا۔؟

اب کی بار زینیا خاموش رہی۔ مہدی بھی چپ ہو گیا۔ کافی دیر بعد زینیا نے نظر موڑ کر دیکھا تو وہ پاور بینک کے ساتھ کنیکٹڈ چارجر کو اپنے موبائل کے ساتھ کنیکٹ کر رہا تھا۔ موبائل تھا کہ چارجنگ پک ہی نہیں کرتا تھا۔ مہدی کے عمل میں اب کے سختی تھی۔ اس

نے جارحانہ انداز میں چارجنگ کیبل اندر گھسانے کی کوشش کی۔اب بس زینیا سے برداشت نہیں ہوا تھا۔اس نے آگے بڑھ کر موبائل جھپٹ کر اسکے ہاتھ سے لیا۔

مشین اپنے ساتھ سختی کرنے والوں کے ساتھ سخت ہو جاتی ہیں۔اس کے اندر زمیں وارننگ تھی۔مہدی جھنجلایا۔چہرے پہ دباد باغصہ تھا۔

،،کل رات سے یہ موبائل عذاب بن گیا ہے۔بند پڑا ہے اور اوپر سے چارج بھی نہیں ہو رہا ۔پتہ نہیں کیا مصیبت ہے۔میرا دوسرا موبائل بھی خراب ہے۔اسکے ساتھ گزارا کر رہا ہوں۔شاید گوادر راس نہیں آیا۔

وہ بول رہا تھا اور زینیا موبائل کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ساتھ ہاتھ بڑھا کر مہدی سے چارجنگ پن مانگی۔

کل سے میرا اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی رابطہ نہیں۔اس نے چارجنگ پن زینیا کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔آج ہی نیا موبائل لے لوں گا اس عذاب سے تو جان چھوٹے۔

آپ کو چیزوں اور لوگوں سے فرار کیوں چاہیے ہوتا ہے۔؟وہ مصروف سی بولی لیکن مہدی ایک لمحے کے لئے سانس نہیں لے سکا۔پلک تک نہ جھپک سکا۔

(ٹریول تمھیں excite نہیں کرتا۔ٹریول تمھیں escape دیتا ہے۔تم چیزوں اور لوگوں سے بھاگنے کے عادی ہو مہدی۔)

اسکے ذہن میں قیس کی باتیں گونج رہی تھیں۔زینیا اب نیچے بیٹھ چکی تھی۔کندھے پہ لٹکے بیگ کو نیچے اتارے اب وہ مختلف اوزار نکالے بیٹھی تھی۔مہدی دھیرے سے اسکے قریب بیٹھ گیا۔ذرا سے فاصلے پہ۔عین اسکے سامنے۔

،،آپ کے موبائل کی چارجنگ پن خراب ہے۔میں اسے ٹھیک کر سکتی ہوں۔،،

اسکے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا اوزار تھا۔جھاڑو کی تیلی جتنا موٹا۔لوہے کا اوزار۔جسے وہ چارجنگ پن کے اندر بڑی احتیاط کے ساتھ گھسا رہی تھی۔ساتھ ساتھ چارجنگ پن کے ساتھ ذرا ذرا سا برابر بھی کر رہی تھی۔یوں جیسے ایک گھر بنانے والا مستری اینٹ کو مضبوط کرنے کے لئے اسکے اوپر لیپا لگاتا ہو۔

آپ نے جارحانہ انداز میں بار بار پن اندر ڈالی ہے۔جسکی وجہ سے اندر سے پن اپنی جگہ سے خراب ہو گئی ہے۔۔میرے پاس چیزیں موجود ہیں۔اندر کی پن بدلنی ہے بس۔یہ

اینڈرویڈ ہے۔آئی فون ہوتا تو شاید میں کچھ نہیں کر پاتی۔وہ موبائل کے پرزے کھولتے ہوئے لاشعوری طور پہ بولے جا رہی تھی۔

مہدی اچھنبے سے اسے دیکھ رہا تھا۔یہ پہلی لڑکی تھی جو بغیر اپنے نئے کپڑوں کی پرواہ کئے نیچے بیٹھ گئی تھی۔جسے نازک بننے کا شوق نہیں تھا۔جسے ہر بات پہ،،لڑکی ہوں،،کارڈ نہیں کھیلنا آتا تھا۔یہ کیا تھی۔؟

حقیقی دنیا میں ایک الوژن جیسی۔

تم باقی لڑکیوں سے بہت مختلف ہو۔مطلب مجھے سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کہوں۔ایک انٹرنیشنل اسپیکر لاجواب ہو گیا تھا۔وہ واقعی لاجواب ہوا تھا۔اسے نہیں پتہ تھا کیا کہنا چاہیے۔

زینیا اب اس لمبے اوزار کو نیچے رکھ کر ایک نئی چارجنگ پن نکال رہی تھی۔بس ابھی یہ فٹ ہو گئی اور ابھی موبائل چارج ہونا شروع زبردست۔

ان لڑکیوں کے اوپر fragile stickers لگے ہیں۔وہ ہیٹ گن سے پرانی خراب پن کو جھلسا رہی تھی۔

کیا تم پہ نہیں لگے۔؟

،،لگے تھے۔لیکن ایک عرصہ پہلے میں نے پھاڑ کر پھینک دیئے۔یہ اسٹیکرز بلندیوں کی طرف جانے میں رکاوٹ تھے۔،،

ہیٹ گن کی گرمائش سے پرانی پن جھلس کر بہہ گئی تھی۔زینیا نے پن کی جگہ کو ایک اور اوزار سے صاف کیا۔اب جگہ کوری صاف ہو گئی۔نئی چارجنگ پن لگ جاتی۔اور موبائل ٹھیک ہو جاتا۔

،،وہ اب ایک چھوٹے چمٹے نما اوزار سے نئی پن موبائل میں فٹ کر رہی تھی۔منہمک سی مصروف اور فیسینیٹ سی۔،،

تم ایسی کیوں ہو؟وہ واقعی جاننا چاہتا تھا۔

www.novelsclubb.com

ایسی کیسی۔؟اس نے نئی پن فٹ ٹھہرا دی۔

عجیب۔وہ ایک لفظ بولا

آپ ایسے کیوں ہیں۔؟

کیسا؟

Weirdo

اس نے ایک لفظ گنوایا مہدی ہنس پڑا۔اس نے پن فٹ کر کے موبائل کے پرزے جوڑے۔مہدی خاموشی سے اسے کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔

زینیا نے اب کے پاور بینک کے ساتھ کنیکٹڈ چارجر کی پن موبائل کے ساتھ جوڑی۔ چھوٹی سی چارجنگ والی ڈبیا روشن ہوئی۔زیرو کا ہندسہ چمکا۔اور ایک سبز سی روشنی اوپر سے نیچے سفر کرنے لگی۔موبائل چارج ہو رہا تھا۔زینیا مسکرائی تھی۔اسکے گال سرخ ہونے لگے۔وہ خوش ہوئی تھی ایکسائٹڈ ہوئی تھی۔اور اسی طرح مسکراتے ہوئے موبائل مہدی کے آگے کیا۔وہ سرپرائزڈ سا موبائل کو چارج ہوتے دیکھ رہا تھا۔اسکی آنکھوں میں ستائش تھی۔سبز آنکھوں میں ممنونیت تھی۔

زینیا نے رک کر ٹھہر کر اسکی آنکھوں کو دیکھا۔آج تک اسکے گھر،خاندان کے کسی مرد نے اپنا موبائل،گھر کو بیٹری پنکھا ٹھیک کروانے کے بعد اسے ایسی ستائش سے نہیں دیکھا تھا۔

ہر کوئی بس لیا دیا رہا تھا۔ کوئی ایک عورت کی برتری قبول نہیں کر سکا تھا۔ ہر ایک نے گردن اونچی رکھی تھی۔

تھینکیو سو مچ تم، تم تو بہت ٹیلنٹڈ ہو۔ وہ واقعی متاثر ہوا تھا۔ زینیا پلک تک نہیں جھپک سکی۔ اسے اس لمحے اس شخص سے خوف آیا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جو دکھتا تھا۔ یا پھر یہ وہ تھا جو زینیا کو نہیں دیکھنا تھا۔

Weirdo

وہ بلند عجیب آواز میں کہتی تیز تیز قدم لیتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ مہدی نے ایک نظر اپنا چارج ہوتا موبائل دیکھا۔ اور پھر سر جھٹک کر بڑبڑایا۔

عجیب مگر ٹیلنٹڈ۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

شام کا نیلگوں اندھیرا معدوم ہو چکا تھا۔رات کے آٹھ بج چکے تھے۔زینیا کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔ایک تو اسکی چائے اتنی بدمزہ ہوتی تھی۔اور دوسرا اسے چائے سے محبت بھی تھی۔لیکن اس وقت وہ اپنی محبت کے تحت چائے نہیں بنا رہی تھی۔اس پہر کام مختلف تھا۔اس نے چائے ٹرے میں سجائی اور بشر کے کمرے کی راہ لی۔

اس نے سفید سادہ جوڑے کے ساتھ گلابی دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔دروازہ کھٹکھٹا کر وہ اندر داخل ہوئی۔وہ سامنے ہی پلنگ پہ بیٹھا تھا۔لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھا تھا۔کانوں میں ایئر پوڈز لگا رکھے تھے۔غور سے سکرین کو دیکھتا وہ فلم انجوائے کر رہا تھا۔

،،خدا کا واسطہ ہے زینی چائے مت بنایا کرو۔اس سے اچھا ہے زہر لے آؤ۔کم از کم تھوک تو سکتا ہوں۔،،اس نے زینیا کے ہاتھ میں ٹرے دیکھ کر برا سا منہ بنایا تھا۔

،،اماں کے ایک ہی بیٹے،اور دادا کی کروڑوں کی جائیداد کے اکیلے وارث ہو ادا۔کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو۔؟،،

اس نے قریب آکر ٹرے میز پہ رکھا۔اور خود آلتی پالتی مارے اسکے قریب بیٹھ گئی۔بشر نے لیپ ٹاپ گود سے اتارا اور مشکوک نظروں سے زینیا کو دیکھا۔

،،اب کیا کام ہے۔؟خدا کی قسم زینی میں اب مزید کوئی کام نہیں کروگا۔ویسے بھی آج اس لڑکے کی وجہ سے مجھے غصہ آیا رکھا ہے۔،،وہ بہت کم بولتا تھا۔لیکن زینیا کے ساتھ وہ کمفرٹیبل تھا۔سوچند الفاظ منہ سے نکال کر احسان عظیم کر ہی دیتا تھا۔

تم شادی سے انکار کیوں کر رہے ہو۔؟اسکی بات پہ بشر کا چہرہ مختلف ہو گیا تھا۔کئی سارے رنگ ایک ساتھ آکر گزر گئے۔وہ بولا کچھ بھی نہیں۔دھیرے سے لیپ ٹاپ گود سے نکال کر پلنگ پہ رکھا۔

،،کیا لالہ رخ کا جوگ لے کر بیٹھے ہو۔؟یوں لگتا ہے جیسے تم نے اسکا سوگ لے لیا ہو۔جانتے ہو ناں زیادہ دیر تک جن کا سوگ منایا جائے۔نہ وہ خود خوش رہتے ہیں نہ سوگ منانے والا۔،،

بشر کے جبڑے بھینچ گئے تھے۔آنکھوں میں ڈھیر ساری سوگواریت یکدم آن وارد ہوئی تھی۔چند پل کے لئے وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

،، تم نے اسکے لئے اسٹینڈ کیوں نہیں لیا ادا۔؟ اسے لگتا تھا یہ سوال وہ بشر سے کر رہی ہے۔ لیکن دور کہیں وہ یہی سوال عبداللہ سے بھی کر رہی تھی۔ شاید بشر کے جواب میں عبداللہ کا جواب بھی ہو۔؟،،

،،وہ بہت اچھی تھی زینی۔،، کئی لمحے بعد جب وہ بولا تو اسکی آواز شکستہ تھی۔

،، معصوم اور پیاری۔ جب کبھی بھی میں اسکے سامنے چیختا تھا وہ بہت ڈر جاتی تھی۔،، اس نے اپنے گھر میں ہمیشہ محبت دیکھی تھی۔ پیار اور نرمی۔ تم تو جانتی ہو ہمارا ان چیزوں سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔

وہ تلخی سے ہنسا تھا۔ گویا اپنا مذاق اڑایا ہو۔ زینیا اسے غور سے دیکھے گئی۔

،، میں اسے یہاں لے آتا ابا اسے کبھی قبول نہ کرتے۔ جیسا کہ ابا نے کہہ دیا تھا۔ میں چاہتا تو اسکے لئے اسٹینڈ لے سکتا تھا۔ لیکن میں نے نہیں لیا۔،،

بشر کو لگا تھا جیسے کوئی اسکا دل جکڑ رہا ہو۔ وہ بس گردن جھکائے کہتا رہا۔

،، میں اسے ابا کی مرضی کے خلاف یہاں لا سکتا تھا۔ میں اپنی خوشی دیکھ سکتا تھا۔ لیکن میں نے لالہ رخ کی خوشی چنی۔ وہ یہاں آتی تو ہمارا تعلق ہماری شادی horrible ہو جاتی۔

میں کمزور مرد نہیں تھا۔میں اسے کمزور نہیں کر سکتا تھا۔مجھ سے نہیں ہوا۔میں اسکے لئے اسٹینڈ لیتا تو وہ ڈھے جاتی۔میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ہوا ہی نہیں۔،،

کافی دیر کے لئے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

،،قبول کیوں نہیں کر لیتے۔؟وہ اب نہیں آئے گی۔کچھ انسان ہماری زندگی سے چلے جاتے ہیں کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔لالہ رخ بھی نہیں آئے گی۔قبول کر لو ادا۔کب تک اسکا سوگ مناؤ گے۔؟،،

میں نے اسے اللّٰہ کے حوالے ہے زینی۔اور جنہیں اللّٰہ کے حوالے کر دو انکا سوگ نہیں منایا جاتا۔قبول کر چکا ہوں میں۔لالہ رخ اب میرے لئے نہیں ہے۔آخری بات کہتے ہوئے اسکا دل خالی ہو گیا تھا۔

تو پھر تم ابا کی پسند سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔کیا ان سے بدلہ لے رہے ہو۔؟

بشر نے نفی میں سر ہلایا۔میں شادی ابا کی پسند ہی سے کروں گا۔لیکن بالاج کی بہن سے نہیں۔

کیوں نہیں۔؟وہ بضد ہوئی۔

کیونکہ وہاں اگر رشتہ جائے گا تو آئے گا بھی سہی۔بشر نے جتایا۔

ایک پل کے لئے زینیا سانس نہیں لے سکی۔وہ بات اتنی واضح تھی کہ اسے سمجھ نہیں آئی کیا کہے۔ان کے خاندان میں بہن سے اسکے رشتے کی بات نہیں کہی جاتی تھی۔وہ کہہ تو چکا تھا لیکن اب نظر نہیں ملا رہا تھا۔چند لمحے بعد زینیا کی کھوکھلی آواز کمرے میں گونجی۔

رشتہ آنے دو ادا۔مسئلہ کیا ہے۔؟نہ کوئی جذبہ نہ کوئی تاثر بے حد روبوٹک سا انداز تھا اسکا۔

بشر نے بے یقینی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

،،عبداللہ آجائے گا زینی۔اسکا انتظار کرو۔،،بشر کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔

،،عبداللہ اب نہیں آئے گا،،۔

یہ الفاظ اسکے منہ سے جس تیزی سے ادا ہوئے تھے دل اتنی تیزی سے کرچی کرچی ہوا تھا۔

www.novelsclubb.com

میں نے اسکا نہ آنا قبول کر لیا ہے تم بھی کر لو۔ابا جو کہیں گے میں مان لوں گی۔تم بھی مان لو۔اس نے کہتے ہوئے آہستگی سے پیر بستر سے نیچے اتارے۔پیروں میں جوتے ڈال کر وہ اب کھڑی تھی۔

بشر اب تک سخت بے یقین تھا۔ کیا اس نے واقعی قبول کر لیا تھا۔؟ اسے خوف لاحق ہوا۔ وہ چند پل بے مقصد کھڑی رہی۔ پھر اپنے قدم دروازے کی جانب موڑے۔ وہ چوکھٹ پہ تھی جب بشر کی کھوکھلی آواز پہ رک گئی۔

تم کیا کر رہی ہو زینی۔؟

میں قبول کر رہی ہوں ادا۔

اس نے ترنت جواب دیا تھا۔ تم نے اپنے اور لالہ رخ کے درمیان اسے چنا تھا۔ میں خود کو چن رہی ہوں۔ مرے لئے میری ذات بہت اہم ہے۔ ابا کے بھتیجے یا اماں کے بھانجے کی خاطر ضائع نہیں کر سکتی۔ میں نے قبول کر لیا ہے کہ مجھ پہ سب زیادہ حق میرا ہے۔

وہ کہہ کر رکی نہیں تھی چلی گئی تھی۔ اسکے پیچھے بشر اب تک بے یقین تھا۔

www.novelsclubb.com

کیا اس نے واقعی قبول کر لیا تھا۔؟

ہوٹل گوادر خوبصورتی کی ایک pearl continental کوہ باطل پہ واقع پی سی (
مثال ہے۔ مٹیالے رنگ کی یہ عمارت کافی پر تعیش تھی۔ سی پیک منصوبے کے بعد سے
سیاحوں نے گوادر کو جانا اور ایکسپلور کرنا شروع کیا تو پی سی کی قدر و قیمت بڑھتی چلی گئی۔
ملکی و غیر ملکی سیاحوں کے رہنے کے لئے پی سی ایک بہترین جگہ ہے۔ اسکے علاوہ پی سی کے
کمروں سے گوادر شہر کا جو نظارہ دکھتا ہے۔ وہ کہیں اور نہیں دیکھا جا سکتا۔ چونکہ پی سی
ہوٹل کوہ باطل نامی پہاڑ پہ واقع ہے۔ اسی لئے اونچائیوں سے کھڑے ہو کر سمندر اور
روشنیاں دیکھنا انتہائی دلکش نظارہ ہے۔

پی سی کے ایک پر تعیش سویٹ کی بالکنی میں کھڑے مہدی کی انگلیوں میں سگریٹ دبا تھا۔
جسے وہ بار بار منہ تک لے جاتا چند گہرے کش لیتا اور پھر دھواں فضا میں تحلیل ہوتا نظر آتا
۔ کئی بار تو اس نے منہ سے دھواں بھی نہیں نکالا تھا۔ بس خود کو اذیت دیتے رہنے کی خاطر
ساری راکھ اندر نگل لی۔ بالکنی کی ریلنگ پہ ہاتھ رکھے وہ گہری سوچوں میں تھا۔ کچھ تھا اس

میں جو غیر آرام دہ کرتا تھا۔پہلا تاثر تحلیل ہونے پہ دوسرا تاثر اسکی جگہ لے لیتا ہے۔لیکن وہ دائمی نہیں ہوتا۔انسان مختلف جگہوں پہ مختلف تاثر دیا کرتے ہیں۔

گوادر شہر کی روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کئے دیتی تھیں۔لیکن مہدی کو جیسے ان سب چیزوں سے فرق نہ پڑتا ہو۔اسکی آنکھیں بے تاثر تھیں۔اسی لمحے اسکا موبائل تھرتھرایا۔ مشینی انداز میں ریلنگ سے نیچے رکھا فون جھک کر اٹھایا۔فون کان سے لگاتے ہوئے اسکے لبوں سے ڈھیر سارا دھواں آزاد ہوا تھا۔اندھیری بالکنی میں کھڑا وہ پر سرار شخص۔یہ آخر اپنا آخری اور اصلی تاثر کب دکھائے گا۔؟

ہیلو نائٹ میئر۔اس نے فون کان سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔دوسری جانب اسلام آباد میں اپنے گھر میں موجود قیس بیڈ کے ایک کونے پہ بیٹھا تھا۔بیڈ پہ ڈھیر سارے کاغذات پڑے تھے۔اس نے شاید کام کے دوران کال ملالی تھی۔

کب واپس آرہے ہو مہدی۔؟اسکی آواز نرم تھی۔جیسے کوئی باپ اپنے چھوٹے سے بچے سے بات کر رہا ہو۔

مہدی نے سوگواریت سے سر جھٹکا۔آنکھوں میں ڈھیر سارا کرب آن ٹھہرا۔سگریٹ لبوں میں دبائے اس نے ایک اور گہرا کش لیا۔

،،میں انتقام لینے آیا ہوں انتقام لے کر جاؤں گا قیس۔،،

،، تمھیں اگر لگتا ہے تمہاری نرم پکار مجھے روک لے گی۔تو تم غلط ہو۔میں اس عورت کو ساری زندگی معاف نہیں کروں گا۔اسکے لہجے میں بے بسی بھری سختی تھی۔،،

"تم اسے معاف کر چکے ہو!۔اس نے بیڈ سے ٹیک لگائی۔تم اس سے بہت محبت کرتے ہو مہدی۔اس نے تمھیں پکارا اور تم میلوں دور اسکی پکار پہ آ گئے ہو۔تم اس سے محبت کرتے ہو بے حد محبت۔کیا نہیں کرتے۔؟سکون سے پوچھا گیا۔!"

نہیں کرتا میں اس سے محبت۔وہ اپنی پوری قوت سے چلایا تھا۔قیس پر سکون رہا۔میں اس عورت سے نفرت کرتا ہوں۔مجھے اسکی آواز سے بھی نفرت ہے۔اس نے انگلیوں میں دبا سگریٹ ہتھیلی میں مسل دیا۔

کیا اسی لئے تم پچھلے کئی دنوں سے اسکی ریکارڈڈ آواز سن رہے ہو۔؟وہ اسے لاجواب کر رہا تھا۔مہدی تلملا کر رہ گیا۔ہتھیلی میں واضح جلن ہونے لگی۔

،،میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ پل پل روئے۔ میں اسے روتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اسکے سارے خاندان کو رلاؤں گا۔ میں کسی ایک کو بھی نہیں بخشوں گا۔ میں کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ وہ چیخ چیخ کر کہتا اب زمین پہ بیٹھ گیا تھا۔ ہتھیلی میں ایسی جلن ہوئی کہ الامان۔،،

تم نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا مہدی۔ وہ تمھیں اس نام سے بلاتی رہی۔ جو تمہارا فیورٹ ہے۔ لیکن تم نے اسکی نہیں سنی۔ وہ ایک فون کال اس لڑکی کو جیتے جی مار گئی ہے تم مزید کیا چاہتے ہو۔؟ وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے تکلیف ہوئی تھی۔

،،میں اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ برباد ہو جائے۔،،

حالانکہ تم ایسا نہیں چاہتے۔ قیس نے آئینہ دکھایا۔ تم اس رات بھی اسے روتے ہوئے دیکھ کر خوش نہیں تھے۔ قیس کی بات پہ اس نے آنکھیں بند کر لیں ذہن میں ایک بار پھر وہی گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں۔ جلتی ہتھیلی کا درد دور کہیں جا سویا۔ دل کا درد زیادہ تکلیف دہ تھا۔

،،تم اسے روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ یقین سے کہا گیا۔،،

ہاں میں نہیں دیکھ سکتا۔ مہدی نے سر گرل کے ساتھ ٹکا کر شکستگی سے اعتراف کیا۔

ساری ضد۔ سارا تنتنا۔ سارا تنفر دور جا سویا۔ بس ایک عام مرد اعتراف کے مرحلے میں تھا

۔

تم اسے خوش دیکھنا چاہتے ہو۔ آباد۔ پر سکون۔

ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں۔ اسکی سبز آنکھوں پہ ہنوز پردہ تھا۔ قیس کسی ساحر کی طرح اس سے اپنی بات منوا رہا تھا۔

تم اس سے بے حد محبت کرتے ہو۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے شخص جتا رہا تھا۔

،،میں اس عورت سے ساری دنیا سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ اب کے چند آنسو اسکے گال پہ لڑھک گئے۔ بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔ یہ اس انتقامی مرد سے مختلف تھا۔ یہ کوئی اور تھا۔ ہارا ہوا۔ شکستہ۔،،

www.novelsclubb.com

،،اس نے تمھیں بلایا ہے مہدی۔ تمھیں چاہیے کہ اسکی پکار پہ جاؤ۔ اپنے سے جڑی عورتوں پہ گواپ نہیں کرتے۔ تب تو بلکل بھی نہیں جب آپ کو اس سے محبت ہو۔،،

مہدی نے اسکی بات پہ آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

اسکی زندگی میں بہت مسائل ہیں نائٹ میئر۔میں بڑھانا نہیں چاہتا۔میں اس سے محبت کرتا ہوں۔لیکن دور کہیں میں اس سے انتقام بھی لینا چاہتا ہوں۔اگر وہ میرے سامنے آئی تو عین ممکن ہے میں اسے مار دوں۔اسکی آخری بات میں ایسی سفاکی تھی کہ پل بھر کو کسی کا بھی دل رک جائے۔

میں اسے ساری زندگی خوش اور آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔مجھ سے دور مسائل سے دور۔وہ میرے ساتھ رہی تو مسائل میں رہے گی۔اسے میرے بغیر رہنا ہے۔وہ مضبوط ہے شاید رہ لے۔ایک پل کو وہ رکا۔آنکھیں جل رہی تھیں۔

کیا تم اسکے بغیر رہ لو گے۔؟ قیس نے جملہ پورا کیا۔

اتنے سالوں سے رہ ہی تو رہا ہوں۔ہاں لیکن اب یہ ہوا ہے کہ اسکے آنے کی امید بھی نہیں رہے گی۔پچھلے چند سال اچھے تھے۔میں چاہے اس سے جتنی نفرت کرتا تھا دور کہیں محبت بھی تھی۔دور کہیں امید بھی تھی کہ ایک دن ہم ساتھ ہوں گے۔ابا نے جو ذمہ داری مجھے دی تھی میں اسے نبھالوں گا۔وہ ایک پل کو رکا تھا۔

امید ختم ہو گئی قیس۔اور مجھے بھی ختم کر گئی۔مجھے اب ساری زندگی اسکے بغیر رہنا ہو گا ایسا بسمل بن کر جس نے اپنے آپ کو خود بسمل کیا۔

اس پہ گواہ مت کرو مہدی۔

،،میں کر چکا ہوں۔،،

کیونکہ میں چاہے اس سے جتنی محبت کر لوں نفرت بھی ضرور کروں گا۔

کیا اب تم ٹھیک ہو۔؟وہ فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

مہدی زمین پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

،،مجھے نہیں پتہ میں ٹھیک ہوں یا نہیں۔مجھے نہیں پتہ میں خوش ہوں یا افسردہ۔میں بس قبولیت کے مرحلے میں ہوں۔قبولیت خوشی یا غم کی ضمانت ساتھ نہیں لاتی۔لیکن یہ آپ کے اندر کا شور تھما دیتی ہے۔شاید وقتی طور پہ ہی سہی۔میں قبول کر چکا ہوں کہ اب میرا اس عورت سے کوئی تعلق نہیں۔اس نے مجھے بلایا یہاں تک آ گیا لیکن اب میں اس سے ملے بغیر واپس جاؤں گا۔کیونکہ اگر اسے مجھ سے ضد ہے تو مجھے اس سے بڑھ کر ہے۔،،

www.novelsclubb.com

اس نے سختی سے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا وہ اب ایک بار پھر بالکنی میں آن ٹھہرا تھا۔ جیب سے سگریٹ نکالتے ہوئے اسکا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔ اپنا موبائل نکال کر اس نے ایک بار پھر پرانے گانے چلا دیئے۔

،،سنسان نگر، انجان ڈگر کا پیار اہوں

آوارہ ہوں.....

. . . . . یا گردش میں ہوں، آسمان کا تارہ ہوں

مدھم موسیقی، پی سی ہوٹل سے نظر آتا دل فریب گوادر۔ سیگریٹ کا دھواں۔ اور جلتا دل

۔

www.novelsclubb.com

گوادر کرکٹ اسٹیڈیم دنیا بھر میں اپنے قیام کے دو ماہ میں ہی اتنی شہرت حاصل کر چکا ہے کہ اب یہاں آکر اپنے قدم دھرنا ہر کرکٹر کی خواہش ہو گی۔ یہاں آکر سمندر کی نم ہواؤں اور پہاڑوں کی پیٹھ کے دلاسے لے کر میچ دیکھنا ہر کرکٹ فین کی دلی آرزو ہو گی۔ گو کہ تعمیراتی کام اب تک تکمیل کو نہیں پہنچ پایا۔ لیکن چند ہی ماہ میں یہ اسٹیڈیم اپنا نام خوبصورت ترین کرکٹ اسٹیڈیمز کی لسٹ میں شامل کروالے گا۔

گراؤنڈ کی سبز گھاس پہ اس وقت مقامی لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ یوں نہیں تھا کہ ہر آتا جاتا یہاں آکر کھیل سکتا تھا۔ یہاں کھیلنے والے وہ لڑکے تھے جنکو باقاعدہ تربیت دی جا رہی تھی۔ یہ وہ بچے تھے جنہوں نے مستقبل بننا تھا۔

سبز گھاس کو پار کرتے ہوئے آگے آؤ تو پویلین کے آگے بنے سنگی زینوں پہ اس وقت مہدی اور اسکے گروپ کے دو لوگ بیٹھے تھے۔ زینیاان سے فاصلے پہ کھڑی باقی لوگوں کی تصاویر بنا رہی تھی۔ چند تصاویر کے بعد سارے لڑکے لڑکیاں اٹھ کے دوسری جانب آ کھڑے ہوئے تھے۔ صرف مہدی تھا جو اپنی جگہ پہ بیٹھا رہا۔

جہاں باقی لوگ کھڑے تھے یہ اس اسٹیڈیم کی شہ رگ جیسا تھا۔ یہ نظارہ اسی نظارے کے لئے تو اس اسٹیڈیم کے چرچے تھے۔ منظر کچھ یوں تھا کہ چند اونچے لمبے سانس روک دینے جیسی خوبصورتی رکھنے والے پہاڑ اس اسٹیڈیم کے عقب میں کھڑے تھے۔ یوں جیسے اسٹیڈیم کے گرد گھیرا بنا رکھا ہو۔ چند لمحوں کے لئے یہ سبز گھاس اور اونچے پہاڑوں کے مناظر والا اسٹیڈیم تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر سکتا تھا۔

زینیا حاکم اپنا کیمرہ سنبھالے بڑی مہارت سے تصاویر اتارتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے گہرے نیلے گگھے جس پہ سفید سوئی کا کام ہوا تھا۔ پہن رکھا تھا۔ شہد رنگ بال سختی سے چوٹی میں گوندھے تھے۔

سنگی زینوں پہ بیٹھا سبز آنکھوں والا مرد کسی سوچ میں تھا۔ بالوں کے اسپائکس آج بکھرے ہوئے تھے۔

www.novelsclubb.com

بھوری بٹنوں والی شرٹ سے سفید گول گلے والی شرٹ جھانک رہی تھی۔ مہدی کمبیر کسی سوچ میں گم لگتا تھا۔ وہ اس سنہری آنکھوں والی لڑکی کا نیم رخ یہاں سے دیکھ سکتا تھا۔ چند لمحوں کے لئے اونچے پہاڑ روئی کے ذرے بن کر غائب ہوئے۔ آسمان سے گرتی پیلی

چمکتی دھوپ تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔اور اب آسمان ہلکا نارنجی پڑ گیا۔مہدی کمبیر نے خود کو پچھلی شام کے منظر میں غرق کر لیا۔

مغرب کی اذان کا سمے تھا۔یہ وقت یہی لمحہ اور یہی غروب آفتاب کا منظر دیکھنے لوگ گوادر آتے تھے۔جہاز سے اتر کر سارا گروپ موبائلوں پہ چہرہ جھکائے آگے بڑھ رہا تھا۔جہاز تک لے جانے والی لمبی راہداری میں اس وقت دو لوگ تھے جو ذرا ذرا سے فاصلے پہ چل رہے تھے۔زینیا حاکم اور مہدی کمبیر۔بشراب اسکے ساتھ نہیں آتا تھا۔اسکے اپنے ہزار کام تھے۔بس محلے کا ایک سولہ سالہ لڑکا اسکے ساتھ آتا تھا۔جو اس وقت اس سے آگے چلا گیا تھا۔

جہازوں سے دور جاتی دھوپ زینیا کی پشت سے ہو کر پلٹ رہی تھی۔اسکے عقب میں سورج تھا۔اسی لمحے اسکے قدم تھم گئے۔اس نے مڑ کر دیکھا پھر اپنے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔کیا تھا جو اسے غیر آرام دہ کر رہا تھا۔اسے کل سے اپنے اوپر کسی کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔کل سے کوئی بار بار کسی چھلاوے کی طرح اسکے پیچھے آتا تھا۔اور جب وہ مڑ کر دیکھتی تو کوئی نہیں ہوتا تھا۔چند لمحے یونہی سورج کی طرف پشت کئے وہ کھڑی رہی۔

اندازہ لگاتی رہی۔اور پھر یکدم اسکے ذہن میں کچھ کلک ہوا تھا۔اپنے سے چند قدم کے فاصلے پہ چلتے مہدی کو اب وہ مختلف نظروں سے دیکھ رہی تھی۔یہ وہ نہیں تھی۔یہ نظریں اسکے لئے نہیں تھیں۔اسی لمحے اس نے اونچی آواز میں اس مرد کو پکار لیا تھا۔

آپ اتنے پراہلمیٹک کیوں ہیں۔؟اسکی آواز اتنی اونچی تھی کہ مہدی اپنی جگہ رک گیا۔

کیا کوئی ہے جو آپ کا پیچھا کر رہا ہے۔؟شاید وہ آپ کو مارنا چاہتا ہے۔ایک لمحے کے لئے وہ سانس نہیں لے سکا۔دھیرے سے اسکی جانب پلٹتے ہوئے وہ شل سا تھا۔اسکی نظروں کے عین سامنے ڈوبتا سورج تھا۔اور اسی سورج کے آگے دیوار بنی وہ کھڑی تھی۔وہ جو چاند جیسی تھی۔لیکن کبھی کبھی سورج کی طرح جھلسا بھی دیتی تھی۔مہدی یک ٹک اسے دیکھے گیا۔زینیا حاکم اب چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے قریب آ رہی تھی۔آس پاس گزرتے لوگ رش،شور سب تھم گیا۔مہدی ساکن سا اسے اپنی جانب آتے دیکھتا رہا۔

کل سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کوئی مجھ پہ نظر رکھے ہوئے ہے۔کوئی ہے جو میرا پیچھا کر رہا ہے۔فاصلہ کم ہو رہا تھا۔آواز چبھتے ہوئے اسکے کانوں میں پڑ رہی تھی۔

میرے آس پاس کوئی محسوس ہوتا ہے۔ کوئی سایہ کوئی انسان میں جیسے ہی اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں وہ غائب ہو جاتا ہے۔

،، کل تک مجھے لگتا تھا مسئلہ میں ہوں۔،،

وہ اب اسکے عین سامنے آکر کھڑی ہوئی تھی۔ مہدی کے دراز سراپے کے آگے وہ چند انچ ہی چھوٹی لگ رہی تھی۔ وہ دھوپ جو مہدی کی آنکھوں کو چندھیائے ہوئے تھی۔ زینیا نے وہی دھوپ اپنی پشت پہ سجائی ہوئی تھی۔

،، میں غلط تھی۔ پرابلم آپ ہیں مسٹر کمبیر۔،، وہ جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

،، کل سے زینیا حاکم کا دماغ خراب ہو رکھا تھا۔ اور اب جا کر مجھے سر املا ہے۔ اسکا چہرہ ایک بار پھر چمک رہا تھا۔ بلکل ایسے جیسے کوئی الہڑ لڑکی بلش کر رہی ہو۔ گال گلابی ہو رہے تھے۔ ایکسائیٹڈ وہ ایکسائٹڈ ہو رہی تھی شاید۔،،

www.novelsclubb.com

،، کوئی میرا پیچھا نہیں کر رہا۔ تمہارا کام فوٹو گرافی ہے وہی کرو۔ میرے پرسنلز میں دخل مت دو۔،،

یکدم وہ ایسے دوٹوک لہجے میں بولا تھا کہ زینیا ٹھہر گئی۔آنکھوں کی پتلیاں مشکوک انداز میں سکڑیں۔اس نے زینیا کو ٹوکا تھا۔اسکی بات کاٹی تھی۔اسکی یہ مجال؟

کیا پتہ تمھارے اس شکی مزاج بھائی نے ہی کسی کو تمہاری حفاظت کے لئے رکھا ہو؟مس زینیا حاکم پرابلم آپ کا دماغ ہے۔آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔آئندہ مجھ سے ایسی بات مت کرنا۔وہ اونچا نہیں بول رہا تھا۔بس دھیمی آواز میں تنبیہ کر رہا تھا۔تیز تیز بولتے ہوئے جان چھڑواتے ہوئے۔

وہ آگے بڑھ گیا۔لیکن زینیا وہیں کھڑی رہی۔اسکی آنکھیں اب بھی ویسی تھیں،،مجھے سب پتہ ہے،، کہتی ہوئی۔

مجھے زندگی میں غلط فہمیاں کبھی نہیں ہوئیں۔اس نے عقب سے ہانک لگائی۔زینیا کو ہمیشہ وجدان ملتے ہیں۔میرے اندازے ہمیشہ درست ہوتے ہیں۔میں نے زندگی میں کبھی دھوکہ نہیں کھایا۔اگر زینیا کہہ رہی ہے پرابلم آپ ہیں۔تو پرابلم آپ ہی ہیں۔ثابت کر کے دکھاؤں گی۔اس نے ضد ہی پال لی۔

مہدی اسکی آواز نہیں سننا چاہتا تھا۔وہ تیز تیز قدم اٹھاتا فوراوہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

ایک اور فرار۔

یہ آدمی اتنا پراابلمیٹک کیوں ہے۔؟اس نے خود سے پوچھا۔چند لمحے وہ وہیں کھڑی سوچتی رہی۔پھر خیر مجھے کیا۔وہ سر جھٹک کر بڑبڑائی

Weirdo

مناظر بدلے ماہی گیروں کی آواز معدوم ہو گئی۔یہاں تک کہ اب مہدی کمبیر کے دوستوں کے بولنے کی آواز سنائی دینے لگی۔آس پاس سمندر پہاڑ بھر بھری ریت کی طرح پھسل کر گرے۔اب اسکی جگہ اونچی کھری چٹانوں نے لی لی۔مہدی کمبیر اب حال میں تھا۔

وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے قریب آنے لگا تھا۔کوئی کشش تھی ۔جو اسے زینیا کی جانب کھینچتی تھی۔کوئی ڈور تھی۔جسکا سرا گم شدہ تھا۔کوئی تعلق تھا۔ جسکا نام اسے نہیں پتہ تھا۔لیکن جو بھی تھا۔اس لڑکی سے اسکا تعلق گہرا ہونے والا تھا۔یہ اسے وجدان ہوا تھا۔

مجھے تم سے بات کرنی ہے۔وہ اسکے دائیں طرف رک کر بولا تھا۔چٹا نیں زینیا کے عقب میں تھیں۔

زینیا جو شاہ فیصل کی تصویر لے رہی تھی۔اپنا کام کرتی رہی۔البتہ باقی لوگ رک گئے تھے

۔

کریں بات میں سن رہی ہوں۔مصروف جواب۔

مہدی نے اپنی کنپٹی سہلائی سانولہ چہرہ جھنجھلایا ہوا تھا۔اسے معلوم نہیں تھا کہاں سے شروع کرے۔

یہاں نہیں اکیلے میں بات کرنی ہے۔اس نے آواز دھیمی رکھی۔زینیا نے ایک آخری تصویر اتاری اور پیچھے ہوئی۔کیمرہ ہاتھ میں پکڑے اب اسکی نظریں سبز آنکھوں والے مرد پہ تھیں۔

www.novelsclubb.com

،،مجھے نہیں لگتا آپ کو اور مجھے اکیلے میں بات کرنے کی ضرورت ہے۔میرا کام فوٹو گرافی ہے۔کسی کے پرسنلز میں دخل دینا نہیں۔،

وہ آپ کے الفاظ آپ کے ہی منہ پہ مرنے میں ماہر تھی۔

تمھیں ایسا کیوں لگتا ہے میں پرابلم ہوں۔؟غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔؟وہ بس جاننا چاہتا تھا۔

میں آپ کو جواب دہ نہیں ہوں۔اور اگلی بار مجھے،،آپ،،کہئے گا۔نہ مجھے آپ پسند ہیں نہ آپ کا تم کہنا۔وہ ہلکی آواز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

مہدی ایک بار پھر نئے سرے سے بے چین ہوا تھا۔کچھ تھا جو شاید اس سے ہوا تھا۔اور اب اسکا سرا انہیں مل رہا تھا۔کیا وہ کسی کے سامنے اعتراف کر سکتا تھا۔؟

www.novelsclubb.com

قیسم کی چوکور عمارت میں آج کافی ہلچل تھی۔ایمپلائیز یہاں سے وہاں بھاگتے چہ میگوئیاں کرتے نظر آرہے تھے۔موضوع تھا واصف منیر کی اسکیچ بک۔کوئی کسی ایک کو مشکوک

نظر سے دیکھتا تو کوئی کسی ایک کو۔سب کے چہروں پہ کمینہ اشتیاق تھا۔آخر کون ہے وہ چور ؟۔

کچھ لوگ چاہتے تھے یہ چور کبھی نہ ملے۔کیونکہ انہیں دیکھنا تھا۔

،،جو قیس کا دل چاہے،،۔اسی لمحے عمارت کے گراؤنڈ فلور پہ قدم رکھتا وہ آتا دکھائی دیا۔ ایش گرے ٹو پیس سوٹ میں ملبوس۔گھنگریالے بالوں کو جیل سے جمائے۔گندمی چہرے پہ سنجیدگی لئے وہ سلطانوں جیسی چال چلتا ہوا آرہا تھا۔چلتے چلتے ایک ڈیسک پہ وہ رکا تھا۔آنکھیں مسکرائیں۔وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے آگے بڑھ آیا۔یہ وہی لڑکی تھی۔وہ جسے لپسٹک کم کرنے کا کہا گیا تھا۔قیس اسکے ڈیسک کے پاس آکر رکا۔

دونوں ہاتھ ڈیسک پہ جمائے وہ اسکی جانب جھکا۔آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔

لپسٹک تیز کرو اپنی۔کافی ڈل لگ رہی ہو اس طرح۔وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ قہقہے مار کر ہنس رہا ہو۔

ٹی شرٹ اور جینز پہنے زارا حبیب تردد کا شکار تھی۔

لیکن اس دن آپ نے...

بکواس کی تھی میں نے۔دیکھو زارا جب میں بولتا ہوں ناں تو ساری دنیا کو چاہیے کہ مجھے سنیں۔تم مجھے نظر انداز کر رہی تھیں۔اور پھر میں نے ہر نظر تم پہ ٹکا دی۔کیا میں نے کچھ غلط کیا۔؟وہ کیسی معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

کاش اسکا منہ نوچ لے کوئی۔

زارا سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ خود ہی آگے آیا۔اسکے ڈیسک کا دراز کھولا اور ایک گہری جامنی لپسٹک اٹھا کر اسکے سامنے رکھی۔سارے ایمپلائیز مڑ مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔کئی نے تو اپنی گردنیں ڈیسک سے نکال کر انہیں دیکھا تھا۔

چند گنی چنی ہی تو عورتیں ہیں میرے آفس میں۔تم سب بھی ناراض ہو جاؤ گی تو لوگوں کو میں واقعی زن بیزار لگوں گا۔کیا تم ایسا چاہتی ہو۔؟ایک بار پھر وہی معصومیت۔

زارا نے بدقت نفی میں سر ہلایا۔کیا کرے وہ اس آدمی کا؟

چند پل رک کر زارا اور باقی ورکرز کا چہرہ دیکھا۔اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔چہ میگوئیاں ایک بار پھر ہونے لگیں۔

اپنے آفس میں بیٹھے کام کرتے ہوئے اسے تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی۔ قیس اس دستک کو پہچانتا تھا۔ گرافک ٹیبلیٹ اور میز پہ بکھرے باقی سامان ہٹا کر وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ دروازہ کھول کر دو لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔

حدیبیہ، براق حنیف۔

امید ہے تمھیں میرا یہاں آنا بہت زیادہ برا لگا ہو گا۔ آدھا عرب مسکرا کر کہہ رہا تھا۔ آج اس نے ہلکے آسمانی رنگ کا دھاری دار سوٹ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں بغیر جرابوں والے جوتے تھے۔ بالوں کو اچھے سے سیٹ کئے۔ وہ گہری سانولی رنگت کا مرد اچھا لگ رہا تھا۔

اؤ نہوں مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے۔ ایک ساتھ دو دو کرخت شکلوں والے مرد بہت کم دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آج قیس موڈ میں تھا۔

یہ آپ نے دوسرا مرد کسے کہا۔؟ حدیبیہ صدمے سے کہتی آگے آئی تھی۔ براق تب تک اپنی جگہ سنبھال چکا تھا۔

وہی جو حدیبیہ کم حبیب زیادہ لگتی ہے۔

امی کہتی ہیں جو کہتا ہے وہ خود ہوتا ہے۔اس نے کہتے ساتھ فائلز کا پلندہ دھپ سے میز پہ رکھا۔اور خفا خفا چہرہ لئے باہر نکل گئی۔اسکے جاتے ہی قیس نے اپنے سامنے بیٹھے دوسرے مرد کو دیکھا تھا۔

،، صبح صبح یہاں آنے کا مقصد۔؟تم جانتے ہو ناں مجھ تمہاری شکل کتنی ناپسند ہے۔؟،،

براق مسکرایا۔اسکی گہری سانولی رنگت چمک رہی تھی۔شاید اس نے کوئی نیا ٹریٹمنٹ کروایا تھا۔

بس ایک فیور۔اس نے شہادت کی انگلی دکھائی۔اور پھر میں اپنے قدم یہاں سے موڑ لوں گا۔ایسے جیسے کبھی اس راستے کا راہی رہا ہی نہیں۔اسے اتنی سخت اردو سکھانے والے کو دس درے لگنے چاہیے۔

میں ایک فیور کے بدلے دو فیورز نہیں دیتا ٹریجڈی۔وہ سنجیدہ تھا۔

سوچو ذرا تم کسے انکار کر رہے ہو۔؟میں وہی شخص ہوں جس نے قیسم کو کھڑا کرنے پہ انویسٹ کیا تھا۔میں تمہارا مسیحا ہوں۔کیا تم مجھے انکار کرو گے۔؟اسکے لہجے میں چیلنج تھا ۔آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔لیکن ان میں تپش تھی۔

،، مجھ پہ جتنا انویسٹ کیا تھا۔اس سے پچاس گنا زیادہ لوٹا چکا ہوں میں۔اور اب قسیم پہ صرف میرا حق ہے۔ہر آتا جاتا میری سلطنت پہ انگلی اٹھائے گا تو میں شاید برداشت نہ کر پاؤں۔،،

براق مسکراتی آنکھوں میں تپش لئے آگے کو ہوا۔

،،پہلی اینٹ رکھنے والوں کو یاد رکھا جاتا ہے لوسفر،،۔

،،عمارت کے معمار تک بھلا دیئے جاتے ہیں۔تم کس دور کی باتیں کر رہے ہو ٹریجڈی۔

،،اسے لوگوں کو لاجواب کرنے کا ہنر آتا تھا۔

تو اسکا مطلب ہے تم مجھے فیور نہیں دو گے۔؟سوچ لو میں چاہوں تو لوگوں کو بتا سکتا ہوں وسل بلوور کی حقیقت کیا ہے۔

میں جانتا ہوں اس راز کی حفاظت اب تم مجھ سے زیادہ کرو گے۔کیونکہ فرد جرم اگر مجھ پہ ہے۔تو شامل جرم تم بھی ہو۔وہ دل کو جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہا تھا۔

براق کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا۔اس نے بدقت اپنی مسکراہٹ قائم رکھی۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں تم اتنے خبیث کیوں ہو۔؟

قیس دونوں بازو میز پہ رکھے آگے کو ہوا۔

،،جب میں اس شہر میں نیا آیا تھا تب ایسا نہیں تھا۔بس یہاں کی سنگتوں کا اثر ہے۔ویسے تم اس شہر میں میرے واحد دوست ہو۔،،

براق اسی طرح مسکراتے ہوئے اٹھا تھا۔

یعنی تم مجھے انکار کر رہے ہو۔؟

آدھے گھنٹے سے میں اس انکار تو تمھارے منہ پہ جوتے کی طرح مار رہا ہوں۔لیکن میں سنا ہے تم سخت چمڑی کے مالک ہو۔اسے کس نے حق دیا تھا۔ایسے تضحیک بھرے جملے کہنے کی ۔؟

www.novelsclubb.com

،،یاد رکھنا لو سفر میں صرف اس جرم میں شامل نہیں ہوں۔ تمھارے سیاہ اعمال نامے میرے سامنے کھلے پڑے ہیں۔اب دیکھنا یہ ٹریجڈی تمھارے ساتھ کیسی ٹریجڈی کرتا ہے۔،،

جس دن قیس تم جیسوں کی وجہ سے برباد ہونے لگا۔اس دن قیس کا آخری دن ہو گا۔

براق اسکی آواز کو سنی ان سنی کر کے نکل گیا تھا۔

قیس اب دوبارہ اپنا کام کرنے لگا تھا۔ہر شے سے بے نیاز۔ مصروف اور منہمک۔

کیا اسے واقعی برباد ہونے سے ڈر نہیں لگا کرتا تھا۔؟

گوادر شہر کئی برس قبل اومان کا حصہ رہا تھا۔ لیکن پھر یہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔اومانی حکومت کے بنائے چند قلعے اب بھی گوادر کے سینے پہ پیر جمائے کھڑے تھے۔ان قلعوں کی حالت خستہ حال تھی۔نہ گزرے وقتوں میں انہیں کوئی جدید ٹچ دیا گیا۔اور نہ ہی ان قلعوں کی دیکھ ریکھ کی گئی۔ جسکی وجہ سے یہ قلعے یوں تو سیاحوں کی نظر میں نہیں آتے۔ لیکن چند مقامی لوگ اگر اپنے کسی مہمان کو گوادر بلائیں تو وہی مقامی لوگ اپنے مہمانوں کو اس قلعے تک ضرور لے کر جاتے تھے۔

ان خستہ حال قلعوں کے علاوہ۔اومانی دور کا ایک خاصی اچھی حالت کا قلعہ بھی گوادر میں موجود ہے۔جسے میوزیم کی شکل دے دی گئی ہے۔لیکن اس وقت ہم تنگ گلیوں کے درمیان ایک خستہ حال قلعے کے سامنے ہیں۔

۔اونچا سفید قلعہ جسے وقت کی گرد اور دیکھ رکھ نہ ہونے کی وجہ نے مٹیالہ کر دیا تھا۔یہ قلعہ خستہ حالی کی مثال نظر آتا تھا۔سفید رنگ اب ختم ہو رہا تھا۔شان و شوکت اب نہیں رہی تھی۔ڈیڑھ سو سال پرانہ قلعہ اب اپنے اختتامی ایام گزار رہا تھا۔

،،یار مہدی یہ کیسی جگہ ہے۔؟کچھ خاص نہیں یہاں۔،،صاف ستھری رنگت اور اسٹیپس میں کٹے ہوئے بالوں والی اقراہ نے اس قلعے کو ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔

چند سالوں میں گوادر کی شکل بلکل بدل جائے گی۔نئے پراجیکٹس، حکومت کی نئی حکمت عملی ان قدیم آثاروں کو دفنا دے گی۔میں اس سے پہلے یہاں قدم رکھنا چاہتا ہوں۔جدید ٹچ اس قلعے کو فیک بنا دے گا۔اور مجھے یہ نیچرل چاہیے۔وہ قلعے کی اونچائی کو دیکھتے ہوئے گویا خود سے کہہ رہا ہو۔

،، حکومت کے پاس ان کھنڈروں پہ ضائع کرنے کے لئے وقت اور پیسہ نہیں ہے۔ عقب میں کھڑی زینیا حاکم خود کو باز نہیں رکھ پائی تھی۔ ہاں اگلے چند سالوں میں گوادر کا ایک نیا چہرہ ہو گا۔ لیکن مجھ سے لکھوا کر رکھیں یہ کھنڈر اگلے سو سال بھی اسی طرح رہیں گے۔ انشااللہ۔،،

وہ بھی اونچے قلعے کو ہی دیکھ رہی تھی۔

مہدی اور باقی لوگوں نے اسے مڑ کر دیکھا تھا۔ باقی سب نے تائید کی۔ جبکہ سبز آنکھوں میں ناپسندیدگی تھی۔

تم ہر وقت اتنی نیگیٹو کیوں رہتی ہو۔؟

میں نیگیٹو نہیں حقیقت پسند ہوں۔ آپ کچھ زیادہ ہی فینٹسی میں رہتے ہیں۔

کم از کم فینٹسی کسی کو ہرٹ نہیں کرتی۔ کسی کا دل نہیں توڑتی۔ حقیقت پسند ہونا اچھی بات ہے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ کسی کو آپ کے لفظوں سے تکلیف ہو۔ وہ بھلا کہاں باز آتا۔

زینیا نے تلخی سے سر جھٹکا۔اگر آپ اتنے نازک ہیں کہ کسی کے الفاظ آپ کا دل توڑ دیتے ہیں تو معذرت آپ کو دنیا میں نہیں بلکہ میوزیم کے کسی حساس خانے میں رہنا چاہیے۔دنیا حقیقت کا تھپڑ ہے۔سہہ لیا تو جی لیں گے۔ورنہ....

کیا تم دونوں لڑنا بند کرو گے۔؟حسام کی آواز پہ زینیا خاموش ہو گئی تھی۔ایسا لگتا ہے جیسے دو سال کے بچے ہو دونوں۔مس زینیا آپ مہدی کی تصاویر لے لیں۔ہم پدی زر بیچ جائیں گے۔آپ دوبارہ ہمیں وہیں جوائن کیجیے گا۔اوکے۔؟وہ اس گروپ کا سب سے سمجھدار آدمی لگا تھا۔زینیا نے سر ہلا دیا۔

وہ بڑبڑائی۔ Just saying

اقراہ،مہدی، گروپ مینیجر اور زینیا یہیں رک گئے باقی سب چلے گئے تھے۔قلعے کا کوئی داخلی دروازہ سرے سے تھا ہی نہیں۔بس ایک اونچی کھڑکی تھی جس سے گزر کر اندر جانا تھا۔شاید کبھی کسی دور میں یہاں دروازہ رہا بھی ہو۔جسے وقت کی دھول نے گردزدہ کر دیا ہو۔

،،تم تو اس کھڑکی کو فوراً پار کر لو گی تمھارے اندر تو ڈبل سیل ڈالے گئے ہیں ہے ناں۔؟،،

قلعے کی طرف جاتے ہوئے مہدی نے ہلکی سرگوشی کی تھی۔

،،میری فکر چھوڑ دیں۔یہ قلعہ اور یہاں کے راستے میرے لئے مشکل نہیں۔آپ اس کھڑکی کو پار کر لیں گے یا میوزیم سے کوئی حساس سواری منگواؤں۔؟،،

مہدی کا جی چاہا تھا اس لڑکی کو گوادر کے سمندر میں پھینک دے۔اؤ نہوں یہ کھارا پانی اسے مزید کڑوا کر دے گا۔

پی سی کی چھت سے نیچے پھینک دوں۔؟اس نے ایک اور بار ترکیب لڑائی۔

قلعے کی کھڑکی کے آگے زینیا رک گئی تھی۔شعلہ برساتی نظروں سے مہدی کو دیکھا۔

،،مجھے قتل کرنے کے منصوبے بے کار ہیں۔میں زینیا ہوں۔۔لکڑ ہضم۔پتھر ہضم۔،،

آج اس پہر گوادر کے اس قلعے کے سامنے مہدی نے اعتراف کیا تھا کہ لڑکی اس سیارے کی نہیں۔

www.novelsclubb.com

دس منٹ بعد وہ تمام لوگ کھڑکی سے کود کر اندر آ گئے تھے۔اندر اندھیرا تھا۔گھپ اندھیرا۔بس دیواروں میں بنے چوکور سوراخوں سے آتی روشنی تھی۔جس نے اس قلعے کو

دیکھنے کے قابل رکھا ہوا تھا۔زمین مٹی سے اٹی پڑی تھی۔پیروں میں گویا من من بھر مٹی بھر گئی ہو۔

یہ کیسی جگہ ہے۔؟قلعے کے فرش پہ ایک جگہ بڑا سا سوراخ بنا تھا۔جہاں سے نیچے کو جاتے زینے نظر آتے تھے۔مہدی ان زینوں کو دیکھتے ہوئے رکا تھا۔سبز آنکھوں میں ڈھیر سارا تجسس بھر گیا۔اقراہ، نجیب(مینیجر)اور زینیا بھی اسکے ساتھ ہی رکے تھے۔

بچپن میں کئی بار دیکھی ہے ہے جگہ۔مرے حساب سے یہ قلعے کے مالک کا پرسنل ٹارچر سیل تھا۔زینیا ایک سوراخ میں کیمرہ فٹ کئے کھڑی تھی۔اسکی آواز قلعے میں گونج رہی تھی۔

تمھیں کیسے پتہ یہ جگہ ایک ٹارچر سیل ہے۔؟اقرا کو جاننا تھا۔زینیا نے ایک آنکھ ہلکی سی چندھیالی اور ایک آنکھ کھلی رکھے ہوئے کیمرے کے قریب ہلکی سی جھکی۔

دیواروں پہ خون کے چھینٹے کسی پینٹنگ کی مانند زندہ ہیں۔کیلوں میں اٹکی زنجیریں اور انسانی ہڈیوں کی بدبو۔جو کسی زمانے میں آیا کرتی تھی۔اسی سے اندازہ لگایا۔البتہ کئی سال ہوئے ہیں یہاں کوئی گیا نہیں۔شاید خطرہ ہو۔

اس نے یہاں سے نظر آتے نیلے سمندر کی ایک پرفیکٹ تصویر اتاری تھی۔

تمھیں دھوکہ بھی ہو سکتا ہے مس حاکم۔اقرا نے زور دیا تھا۔

زینیا کو دھوکے نہیں وجدان ملا کرتے ہیں۔میں نے اپنی زندگی میں کبھی دھوکہ نہیں کھایا ۔میڈم۔اس نے آخر میں میڈم پہ زور دیا تھا۔اسکے لہجے میں علاقائی تاثر آتا تھا۔صاف ظاہر تھا جیسے کوئی بلوچ یا پختون اردو بول رہا ہو۔

میں تو یہاں نہیں جا رہی۔اقرا نے سب سے پہلے منع کیا تھا۔مینیجر صاحب نے اسکی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔جبکہ مہدی کے قدم اب پہلے زینے پہ تھے۔موبائل ٹارچ جلائے ہوئے وہ زینے اتر رہا تھا۔زینیا نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔اور اسکے پیچھے نہیں گئی۔

بھاڑ میں جائے یہ فینٹسی میں ڈوبا آدمی۔

www.novelsclubb.com

۔ذینے زیادہ چوڑے نہیں تھے۔یوں کہ اگر دو لوگ ایک ساتھ چلیں تو مشکل ہو۔بلکہ کوئی پرا پر ذینے تھے ہی نہیں۔یوں لگتا تھا بھر بھری مٹی سے بنے ٹیلے ہوں۔اب گرے کہ تب گرے۔

آخری زینے پہ پہنچ کے اس نے ایک طائرانہ نگاہ سارے میں ڈالی۔دیواروں میں کیلیں نصب تھیں۔اوران کیلوں میں موٹی موٹی زنجیریں۔یہاں کوئی روشنی نہیں تھی سوائے ایک روشن دان کے۔مہدی نیچے پنجوں کے بل بیٹھا زنجیروں کو چھو کر محسوس کر رہا تھا۔ جب اسے اپنے عقب سے کوئی آواز آئی۔یوں لگا تھا جیسے کسی نے زنجیر ہلائی ہو۔وہ کرنٹ کھا کر مڑا تھا۔لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔یا شاید گھپ اندھیرے کے باعث اسے کوئی نظر نہیں آیا۔اس نے اٹھنا چاہا لیکن پیٹھ پہ لگنے والے ایک بھاری بوٹ کی ضرب سے وہ اوندھے منہ گر پڑا تھا۔ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کرتا کہ ایک اور ضرب اسکے حواس خطا کر گئی تھی۔کوئی تھا جو عین اسکے سر کے مقام پہ کھڑا تھا۔اسکی پیٹھ پہ ایک بھاری بوٹ رکھے وہ وہ کوئی اونچا لمبا آدمی تھا۔جس نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔سر پہ سیاہ ہیٹ تھی۔یوں لگتا تھا

کسی قدیم زمانے کا جلاد ہو۔ وہ اپنے بھاری بوٹ کی ٹھوکریں مہدی کے سینے، کمر اور ٹانگوں پہ مارے ہی گیا۔

تم کون ہو۔؟ مہدی گہرے سانس لیتے ہوئے گھٹی گھٹی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

میں تمہارا اعمال نامہ ہوں۔ میری سیاہی دیکھو کیا اب بھی یقین نہیں آیا۔؟ وہ لمبا چوڑا سراپا آج پہلی مرتبہ بولا تھا۔ اسکا ایک بوٹ اب بھی مہدی کی کمر پہ تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک بار پھر بوٹ والے شخص نے ایک ضرب رسید کی تھی۔ مہدی بلبلا کر رہ گیا۔ اسکی ضرب کاری تھی۔

میرے اعمال ناموں میں کوئی سیاہی نہیں ہے۔ گہرے تکلیف دہ سانسوں کے درمیان وہ با مشکل بولا تھا۔ تم نے غلط آدمی چن لیا ہے۔ وہ تکلیف سے بادقت بول پا رہا تھا۔

کورے پنے تو بس فرشتوں کے اعمالوں میں ہوتے ہیں۔ مہدی کمبیر۔ کیا تم خود کو فرشتہ سمجھ رہے ہو۔؟ اسکی آواز میں سفاکی تھی۔ مہدی کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ چند لمحے وہ یونہی پڑے پڑے گہری سانسیں لیتا رہا۔ اسکے سر پہ کھڑے شخص نے اب کے شاید گن لوڈ کی تھی۔ کلک کی آواز۔

جس طرح قیس کمبیر کے لئے آوازیں خوف تھیں۔اسی طرح مہدی کے لئے آوازیں ٹریگر تھیں۔اسے آوازیں حال میں لے آتی تھیں۔ بجلی کی رفتار سے اس نے اپنے اوپر کھڑے سراپے کی ٹانگ کو کھینچ کر اسے نیچے گرایا تھا۔اور اس سے دگنی رفتار سے خود اٹھ کھڑا ہوا۔سیاہ لباس والا آدمی اس سے زیادہ تیز تھا۔وہ گرتے ساتھ ہی اٹھ بھی کھڑا ہوا تھا ۔یوں لگتا تھا جیسے وہ کوئی ایتھلیٹ ہو۔

اس وقت وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔سیاہی میں ڈوبے آدمی کے ہاتھ میں گن تھی۔ جسکی نال سیدھا مہدی کے دل کا نشانہ لئے ہوئے تھی۔مہدی بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

اسی لمحے ایک زوردار لات مہدی کے سینے کی ساری ہڈیوں کو گویا چورا کر گئی۔زمین پہ گرا وہ مارے تکلیف کے وہ کراہ رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

میرے اعمالوں میں ایسی کوئی سیاہی نہیں ہے۔ جسکی بنا پہ تمھیں یہاں آنا پڑے۔وہ باور کروا رہا تھا۔سینے میں درد ہو رہا تھا۔وہ کراہ رہا تھا۔آہستگی سے وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا ۔

کورے اعمال نامے فرشتوں کے ہوتے ہیں۔سیاہ شخص کی سفاک طنز۔سیاہی میں ڈوبے آدمی نے اسے کھڑے ہونے دیا۔

جوانسان اپنی اصلاح کر کے درست راستے پہ آجائیں۔انکے اعمال نامے بھی کورا کاغذ بن جاتے ہیں۔میں ان انسانوں میں سے ہوں مجھے بتاؤ تم کون ہو۔؟مہدی کی نظریں محتاط تھیں۔اسکے ہاتھ خالی تھے۔دماغ نہیں۔

جب انسان خطاکار بن جائے اور پھر معافی مانگ لے تو خدا معاف کر دیتا ہے۔بندے نہیں۔میں آج بھی تمھیں اتنا ہی گناہ گار سمجھتا ہوں۔اس نے کہتے ساتھ ایک زوردار لات مہدی کے سینے پہ رسید کی تھی۔وہ مضبوط جسامت کا مرد گرا نہیں لیکن دوہرا ضرور ہو گیا۔گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے وہ درد کی شدت سے نیچے جھکا تھا۔جب اسے اپنی گردن پہ پستول کی ٹھنڈی نال محسوس ہوئی۔اسے اپنا سانس رکتا محسوس ہوا تھا۔اس گھپ اندھیرے میں موٹی موٹی زنجیروں اور تاریک قلعے میں اسے مار دیا جائے گا۔؟کیا واقعی؟

لمحے بھاری سانسوں کی طرح بیتے۔اور اسی پہر،اسی لمحے،اسی پل اس پھاڑ کھانے والے اندھیرے میں کوئی آیا تھا۔بغیر چاپ پیدا کئے۔بغیر سانس لئے۔اس نے ہاتھ میں پکڑا

کیمرہ اس سیاہی میں ڈوبے شخص کے ماتھے پہ دے مارا تھا۔ پستول چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ اور اسکے عقب میں کھڑی زینیا حاکم نے ایک بار پھر اسی قوت سے کیمرہ اسکے منہ پہ دے مارا تھا۔ درد، تکلیف، زخم۔ آدمی بلبلا اٹھا تھا۔ اب کے زینیا نے اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر کیمرہ اسکی پیٹھ پہ دے مارا تھا۔ مہدی اب بھی شاکڈ تھا۔ زمین پہ بیٹھا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے زینیا کو کسی وحشی جانور کی طرح کیمرہ اٹھا اٹھا کر مار رہی تھی۔ پستول کی ٹھنڈی نال اب بھی اسے اپنی گردن پہ محسوس ہو رہی تھی۔

آدمی اب نیچے گر پڑا تھا۔ اسکے سر سے خون بہہ نکلا تھا۔ لیکن وہ اب بھی بے تاثر چہرے کے ساتھ دھڑا دھڑ کیمرے کا وار کئے جا رہی تھی۔ وہ مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔ یا شاید موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

بس کرو وہ مر جائے گا۔ مہدی کی ہلکی آواز کیمرے کی ضرب کی آواز میں دب گئی۔

،، مہمان پہ ہاتھ اٹھایا۔ ہاں۔ مہمان پہ ہاتھ اٹھایا۔،،؟

وہ پہلی بار غرائی تھی۔ اسکی آواز اسکے لہجے میں ایسی کاٹ تھی کہ پل بھر کو کوئی بھی تھم جائے۔ وہ انسان تھی۔ ایسی انسان جو جانوروں کو بھی پھاڑ کھائے۔

،،بس کرو مر جائے گا وہ بس کرو اب،،۔اسکی آواز زینیا کے کانوں تک جا رہی تھی۔ لیکن اسکے ہاتھ مشین کی طرح چل رہے تھے۔ لڑائی کا سب سے پہلا اور سنہری اصول ہے۔ اگلے پہ کاری وار کرنے کی بجائے مسلسل وار کرو۔

نیچے مٹی پہ گرے آدمی نے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر زینیا کے اوپر اچھالی تھی۔ کچھ مٹی اسکی آنکھوں میں گئی تھی۔ جسکی وجہ سے اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ آدمی برق رفتاری سے اٹھا اور باہر کی جانب بھاگا تھا۔ جب تک وہ آنکھیں صاف کرتی وہ کسی چھلاوے کی طرح وہاں سے بھاگ چکا تھا۔ یعنی وہ جان بوجھ کر مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔؟

چند پل وہ اسی طرح اپنی آنکھیں صاف کرتی رہی۔ اور مہدی یونہی فرش پہ بیٹھا رہا۔ ان دونوں کے کپڑے گرد میں اٹے تھے۔ زینیا کا تو خیر چہرہ بھی مٹی مٹی تھا۔ مہدی شاکڈ تھا یا شاید کچھ سوچ رہا تھا۔ اسکی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ چہرہ سفید۔

،،تم اوپر کھڑی تھیں۔ تمھیں میری آوازیں آ رہی تھیں ہے ناں۔،، وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بس اندھیرے میں کہیں دور دیکھ رہا تھا۔ وہ موت کے منہ سے واپس آیا تھا۔ یہ حالت بنتی تھی۔

زینیا ایک لمحے کو تھم گئی تھی۔ لیکن بس ایک ہی لمحے کو۔ اگلے لمحے اسکے لہجے میں کاٹ تھی

۔

،،آپ نے کہا تھا میں فوٹو گرافر ہوں۔ اپنے کام سے کام رکھوں۔ یہاں کسی تیسرے کا ہونا میرا کام نہیں تھا۔،،

مہدی نے شاکی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔،، تمھارے اندر کتنا زہر ہے زینیا۔،، میں نے کل ایک بات کہی۔ اور تم اب تک اسکا بدلہ لے رہی ہو وہ تاسف سے بولا۔

،،آپ کے اندر ضرورت سے زیادہ اچھائی ہے۔ اس آدمی کو کنفرنٹ کرنے کی بجائے اپنے جیکٹ کی جیب میں رکھی گن سے مار دینا چاہیے تھا۔،، وہ ایسے تنفر سے بولی جیسے اگر وہ آدمی اس وقت اسکے سامنے ہوتا تو شاید مار بھی دیتی۔ وہ کتنی سفاک تھی ناں۔؟

www.novelsclubb.com

مہدی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اوپر سے اب آوازیں آرہی تھیں۔ اقراء اور یہیں منیجر انہیں پکار رہے تھے۔ مہدی ہر آواز کو ان سنا کرتا اسکے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔ سبز آنکھیں مختلف تھیں نہ کوئی خوف نہ ڈر۔ وہ براہ راست سنہری آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

میں ٹریولر اور لائف کوچ ہوں۔میری جاب انسان ہیں۔میرا کام لوگ ہیں۔تم زینیا تمھارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔تم ساری دنیا سے ناراض ہو۔کچھ ہے جس نے تمہارے اندر آگ لگا رکھی ہے۔

زینیا چند لمحہ اسکی سبز آنکھوں کو دیکھتی رہی۔بے تاثر برف تاثرات کے ساتھ۔

،،میں فوٹو گرافر ہوں۔لوگوں کے چہرے،انکی مسکراہٹ،انکے دکھ اور انکی آنکھیں میرا کام ہیں۔انسانوں کے تاثرات میری جاب ہیں۔آپ پرابلم ہیں۔یا پھر آپ کے ساتھ کوئی پرابلم ہے۔،،

مہدی نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔بلکل ویسے جیسے تم ٹریجڈی ہو؟یا پھر تمھارے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہے۔؟اس نے زینیا کو دیکھا اور پھر ذرا نرم پڑا۔

،،تمھارے ساتھ کوئی ٹریجڈی ہے۔مجھے سننے دو۔،،

،،آپ کے ساتھ کوئی پرابلم ہے مجھے سمجھنے دیں۔،،وہ ترکی باتر کی بولی تھی۔

اندھیرے قلعے میں ہلکی سی روشنی کے درمیان وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

ابھی مہدی کچھ اور کہتا کہ اقراہ اور مینیجر کی آوازیں ایک بار پھر آنے لگیں۔ مہدی نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ اور پھر ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ جو اندھیرے میں روشنیوں جیسی تھی۔

،، ہم اوپر جا رہے ہیں اور تم اپنا منہ بند رکھو گی۔ آئی سمجھ۔؟،،

،، اپنے باپ کے علاوہ زینیا کسی کے باپ کی بھی نہیں مانتی۔ مجھے بولنا ہے یا چپ رہنا ہے۔ یہ میں طے کرتی ہوں۔،، وہ جتا کر آگے بڑھ گئی۔ مہدی نے بے بسی سے اسے جاتے دیکھا تھا۔

اس نے آدھی دنیا گھومی تھی لیکن اس نے آج تک زینیا جیسی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔

www.novelsclubb.com

مغرب کے سائے اسلام آباد پہ اپنے پر پھیلائے ہوئے تھے۔دور کہیں سے غروب ہوتا سورج آخری الوداع کہتا گھر کو لوٹ رہا تھا۔ لمبی چوڑی سڑکوں، لہلہاتے درختوں ،اور اسلام آباد کی رونقوں کو خیر آباد کہتے ہوئے اگر تم کمبیر محل میں داخل ہو تو اداسی اور ویرانی آج بھی ویسی ہی تھی۔

دل کو بوجھل کر دینے جیسا سناٹا اور روح کو چبھتی ہوئی اداسی۔ایسے میں اگر دوسری منزل پہ واقع اسٹڈی روم میں آؤ تو پل بھر کو بھاری بوسیدہ کتابوں کو مہک تمہاری ناک کے نتھنوں کو سن کر دے گی۔

چھت سے لگتے لمبے اور چوڑے کتابوں کے ریک۔جو کہ تین دیواروں کو بھرے ہوئے تھے۔چوتھی دیوار پہ پینٹنگز ٹنگی تھیں۔یہ کوئی خوش آئند پینٹنگز نہیں تھیں۔ان کے اندر تو گھر کے مکینوں سے زیادہ اداسی بھری تھی۔ نظر اٹھا کر دیکھو تو اسٹڈی کے عین وسط میں دو لمبے سیاہ صوفے رکھے تھے۔بیچ میں ایک کرسٹل میز۔

ایک صوفے پہ قیس کمبیر بیٹھا تھا۔آرام دہ ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس۔بال ماتھے پہ بکھیرے۔وہ توجہ سے بختیار کمبیر کو بولتے ہوئے سن رہا تھا۔انہوں نے کوئی نئی کتاب

پڑھی تھی۔اسی کی کہانی وہ اسے سنا رہے تھے۔ گرے شلوار قمیض میں ملبوس سیاہ شال کندھوں پہ اوڑھے وہ کافی باوقار لگ رہے تھے۔

بختیار کچھ بتاتے بتاتے رک گئے تھے۔انکی آنکھوں میں یکدم کچھ در آیا تھا۔

پھر کیا ہوا چچا۔؟بختیار کو خاموش دیکھ وہ پہلی بار بولا تھا۔

تم نے یہ کتاب پڑھ رکھی ہے۔ہے ناں؟انکے لہجے میں کچھ تھا کہ قیس انکار نہیں کر سکا۔ یوں بھی وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا۔بس باتوں کو اپنی مرضی کے مطلب دے دیتا تھا۔

میں نے اگر پڑھ بھی رکھی ہے تو کیا ہوا۔؟آپ سنائیں میں سن رہا ہوں۔مجھے آپ کے ساتھ وقت گزارنا ہے چچا۔میں آپ کی سنائی گئی کتاب ایک ہزار بار سن سکتا ہوں۔وہ لمبے لمبے مکالمے ان لوگوں کے سامنے بولتا تھا۔جن کے ساتھ کمفرٹیبل ہوتا تھا۔

بختیار کے چہرے پہ یکدم افسردگی چھا گئی۔،،ہم تم پہ بوجھ بن بیٹھے ہیں قیس۔تم ہمارے لئے کام کرتے ہو۔ہمارے لئے جیتے ہو۔خود کو مشین بنا چکے ہو تم۔مجھے تم پہ ترس آتا ہے ۔اور خود پہ غصہ۔ہمیں تم پہ بوجھ نہیں بننا تھا۔

وہ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہے تھے۔آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا۔قیس بے تاثر چہرے کے ساتھ سن رہا تھا۔

کاش اس دن تمہارا باپ نہ مرا ہوتا۔کاش اس دن تمہارا خاندان اس طرح در گور نہ ہوا ہوتا ۔تم انہیں یاد کرتے ہو ناں قیس۔؟انہوں نے قیس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

انہوں نے قیس کو دیکھا تھا۔اسکی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ان آنکھوں میں تکلیف تھی۔وہ جھوٹ بول سکتا تھا اسکی آنکھیں نہیں۔

،،میں ہر سانس کے ساتھ اپنے خاندان کو یاد کرتا ہوں۔اسکی آواز کھوکھلی تھی۔ہاں انہوں نے میرا ساتھ بہت جلدی چھوڑ دیا۔مجھے زمانے کے رحم و کرم پہ چھوڑ کر میرے ابا مر گئے ،،۔وہ ایک پل کو رکا۔زخمی آنکھیں اٹھا کر بختیار کمبیر کو دیکھا۔

میں نے اپنے خاندان کو اپنی آنکھوں کے آگے دم توڑتے دیکھا ہے۔لوگ کہتے ہیں میری عقل نعمت ہے۔میں کہتا ہوں میرے لئے میرا ذہن سب سے بڑا عذاب ہے۔میں لوگوں کو کیا بتاؤں کہ میری فوٹو گرافک میموری میں میرے باپ کا قتل آج بھی ایک فلم کی مانند چلتا ہے۔اسکی یہ بے بسی کسی کا بھی دل زخم زخم کر سکتی تھی۔

مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ مرے باپ کے سینے پہ کتنے زخم تھے۔اس نے گردن جھکالی۔ آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔بختیار آزردگی سے اسے دیکھتے رہے۔

میرے پاس غم منانے کو کئی درد ہیں۔کئی تکالیف ہیں چچا۔اس نے گردن اٹھائی۔سرخ آنکھیں اب بھی کرب زدہ تھیں۔میرے پاس یادیں بہت ہیں۔خود کو زخمی کرنے کے لئے۔کونے میں بیٹھ کر رونے لئے غم بھی ہیں۔لیکن مجھے دیکھیں میں دنیا کا مقابلہ کر رہا ہوں۔چیل جیسی دنیا کے منہ سے نوالے نوچ کر اپنے خاندان کو کھلا رہا ہوں۔میں کھڑا ہوں تو آپ سب کو کھڑا ہونا پڑے گا۔

وہ جتا رہا تھا۔سختی سے محبت اور منت سے۔

جس دن میں بیٹھ گیا آپ سب ڈھے جائیں گے۔میں اگر آپ کے ساتھ خوش رہنا چاہتا ہوں تو پلیز آپ خوش رہیں۔آپ میرے ابا کا خاندان ہیں۔میری ذمہ داری۔مجھے میری ذمہ داری نبھانے دیں۔اس نے جیسے نرمی سے تنبیہ کی تھی۔

بختیار چند لمحہ اسے دیکھتے رہے۔

،،انیسہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔میں نے تم سے ایک کام کہا تھا قیس۔میں نے صرف اتنا کہا تھا مجھے اس لڑکے سے انیسہ کی دوری چاہیے۔کیا ہوا کیا تم ہار گئے۔؟،،

،، قیس کبھی ہارتا نہیں ہے۔حکمت عملی بدل لیتا ہے۔عورت کو دلاسے اور کھوکھلے لفظ فیسینیٹ کرتے ہیں۔ایک بار اسے لفظوں کے سہارے کھڑا کر دو۔پھر چاہے دونوں ہاتھوں سے قبر میں دھکا دے دو۔وہ کچھ نہیں کہتی۔میں نے اسے الفاظ دیئے ہیں۔اسے کھڑا ہونے دیں۔میں اپنے ہاتھوں سے گراؤں گا اسے۔،،

کس مان اور یقین سے کہہ رہا تھا وہ۔بختیار کو اس پہ یقین آنے لگا۔وہ پھیکا سا مسکرا دیئے۔ قیس بھی ہلکا سا مسکرایا۔

میں آج صبح گوادر جا رہا ہوں۔مہدی کو ساتھ لاؤں گا۔ قیس نے اعلان کیا۔

بختیار آگے کو ہوئے۔آنکھوں میں تفکر در آیا۔لیکن مہدی تو کل آ رہا ہے ناں۔؟اسکی بات ہوئی تھی مجھ سے۔

قیس نے گہری سانس لی۔ میں اسکی رگ رگ سے واقف ہوں۔ وہ اس عورت کے لئے وہاں گیا ہے۔ اسے لگتا ہے وہ اس سے انتقام لے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ انتقام لے لے۔ مجھے وہاں جانا ہو گا۔ میں اس عورت کو ہرٹ نہیں ہونے دینا چاہتا۔

اس عورت کے لئے تمھارے دل میں سافٹ کارنر کیوں ہے قیس۔؟ دبیز کتاب ہاتھ میں لئے سوال کیا گیا۔

وہ بہت معصوم ہے۔ اسے ہرٹ ہوتا ہے تو مجھے برا لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ خوش رہے۔ ہمیشہ۔

قیس نے کندھے اچکائے۔ جیسے اس سے زیادہ الفاظ نہ مل سکے ہو۔

ایک زن بیزار آدمی کو ایک عورت معصوم لگتی ہے۔؟ طنز تھا یہ۔

کہانی سنائیں چچا کہانی بنائیں مت۔ قیس نے مسکرا کر ٹوکا تو وہ بھی مسکرائے تھے۔

کہانی جہاں رکی تھی وہیں سے دوبارہ شروع کی گئی۔ انٹر کام اٹھا کر نئی کافی لانے کا حکم دیا گیا ۔اسٹڈی ایک بار پھر دو لوگوں کی موجودگی سے بھر گئی۔

لیکن ایک زن بیزار کو کوئی عورت معصوم کیوں لگ رہی تھی۔؟

یہ مغرب سے کچھ وقت قبل کا پہر تھا۔ سمندر سے ذرا فاصلے پہ بنی ایک کنٹینر لائبریری اس وقت ہماری کہانی کا مرکز ہے۔ یہ لائبری سرخ رنگ کے ایک لمبے کنٹینر پہ مشتمل تھی۔ گوادر بیچ لائیبرری پاکستان کی واحد کنٹینر لائبرری ہے۔۔ یہ لائبریری اپنی جیو گرافی کی وجہ سے کافی خوبصورت ہے۔ تصور کریں سمندر کی جسم کو چھوتی نم ہوائیں۔ گرم گرم چائے۔ اور کتابوں کی خوشبو۔ زندگی سے اور کیا چاہیے۔؟

www.novelsclubb.com

اس لائبریری میں تقریبا دو ہزار کتابیں ہیں۔ کئی مطالعے کے شوقین افراد شام ڈھلے یہاں آتے ہیں۔ لائبریری سے ایک کتاب لے کر لائبریری سے باہر رکھی بینچ پہ آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ خوبصورت سن سیٹ، چائے، سمندر اور ایک کتاب۔ یقینا یہ زندگی کا بونس مومنٹ ہو گا۔

آج مہدی کے گروپ کا اس شہر میں تیسرا اور آخری دن تھا۔ یہاں سے کچھ لوگ اسلام آباد واپس روانہ ہونے والے تھے۔ اور کچھ کسی اور شہر۔ لائبریری کی دائیں جانب اس وقت سورج غروب ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ سمندر کی لہروں پہ جب یہ نارنجی روشنی پڑتی تھی تو سمندر کی خوبصورتی کو چار چاند لگ جاتے تھے۔ یہاں سے گوادر کا سب سے حسین غروب آفتاب کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ لہروں کے عقب میں ڈوبتا ہوا سورج۔

زینیا حاکم اس وقت اپنا تمام کام کر چکی تھی۔ یہ اسکی روانگی کا وقت تھا۔ آج کے بعد وہ ان لوگوں سے نہیں ملے گی۔ آج کے بعد یہ سبز آنکھیں، یہ بدتمیز بگڑے امیر بچے وہ انکو نہیں دیکھے گی۔ بس یہ بشر آجائے تو وہ یہاں سے نکلے۔ وہ لائبریری سے ذرا فاصلے پہ بنی ایک سنگی بینچ پہ بیٹھی تھی۔ جس کے اوپر جھونپڑی نما سنگی سایہ بنا تھا۔

چند پل بیٹھی وہ اپنے کیمرے سے لی گئی تصاویر دیکھتی رہی۔ اسی لمحے اسے محسوس ہوا کوئی اسکے سامنے آکر بیٹھا ہے۔ وہ جانتی تھی یہ میز ڈانسان کون ہوگا۔ وہ جس نے اسکے ساتھ بیٹھنے کی بجائے سامنے والی جگہ منتخب کی تھی۔ زینیا گردن جھکائے اپنا کام کرتی رہی۔

میں نے اس دن جو کچھ کہا اسکے لئے مجھے معاف کر دو۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔اس نے بغیر تمہید کے بات کہہ دی۔

میں نے اپنے اندر سے برا ماننے والا سیل نکال دیا ہے۔ آپ کو معذرت کی ضرورت نہیں ۔یوں لگتا تھا وہ ایک روبوٹ ہو۔

بے تاثر لہجہ اگلے انسان کا خون کھولا سکتا تھا۔ سورج آج بھی زینیا کے عقب میں تھا۔اور مہدی آج بھی اسکی آنکھوں کے عقب میں ڈوبتا سورج دیکھ رہا تھا۔

تم اسلام آباد آجاؤ۔اس نے گلہ تر کر کے کہا تھا۔اسکی پیش کش پہ چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکی۔

اور میں وہاں آکر کیا کروں گی۔؟اس نے گردن نہیں اٹھائی۔ شاک ہاں اسے شاک لگا تھا ۔

www.novelsclubb.com

پڑھنا،اپنی تعلیم مکمل کرنا۔ زندگی میں کچھ بن کر دکھانا۔ کیا ساری زندگی یہاں تصاویر کھینچتے ہوئے گزار دو گی۔؟

زینیا نے آہستگی سے گردن اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔اسکی آنکھیں سوال کرتی تھیں۔بولنے کی اسے بہت کم ضرورت پیش آتی تھی۔مہدی نے کہنا جاری رکھا۔

میری ایک دوست ہیں۔خیر دوست تو نہیں کہہ سکتے۔پچپن سال کی عورت ہیں۔اسلام آباد میں انکی ایک اکیڈمی ہے۔ہر سال کئی لڑکے لڑکیوں کو سی ایس ایس،اور پی سی ایس کی تیاری کرواتی ہیں۔اس سال کسی امیر بوڑھے نے انہیں دس اسکالر شپس دینے کا وعدہ کیا ہے۔یعنی کہ...

یعنی کہ اکیڈمی آپ کی دوست کی اور ان دس بچوں کو فنڈ کرنے والا وہ امیر بوڑھا ہو گا آگے ۔...زینیا نے فورا سے پہلے اسکی بات کاٹی تھی۔آنکھوں میں ڈھیر ساری امیدیں روشن ہوئی تھیں۔مہدی بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

تو یہ کہ وہ ان اسکالر شپس کو ایسے بچوں کو دینا چاہتی ہیں جو بے حد غریب اور ڈزرونگ ہوں۔آٹھ اسکالر شپس حقداروں کو مل گئی ہیں۔باقی دو رہتی ہیں۔تمھیں ایک آنلائن ٹیسٹ دینا ہو گا۔اور اسکے بعد تمھیں وہ اسکالر شپ مل سکتی ہے۔میں تمھارے لئے ان

سے بس اتنی بات کر سکتا ہوں کہ وہ ایک بار تمہارا ٹیسٹ لے لیں۔اگر تم کہو تو بات کروں۔؟

آپ میرے لئے اتنا سب کیوں کریں گے۔؟اور آپ کو کیا پتہ میں

Deserving

ہوں بھی کہ نہیں؟

اب کے مہدی مسکرایا تھا۔ مینیجر سے پتہ چلا ہے کہ تمہارا آئی کیو غیر معمولی ہے۔آج تک تم ہر کلاس میں ٹاپ کرتی رہی ہو۔اور تمہارا خواب ہے۔ایک اعلی عہدہ۔میں تمھیں بس ایک فیور دے رہا ہوں۔کل تم نے میری جان بچائی تھی۔

میں نے آپ کی جان نہیں بچائی وہ آپ کو مارنے نہیں آیا تھا۔زینیا نے فورا سے پہلے اسکی بات کاٹی تھی۔مہدی کی آنکھوں میں تھکن اتری تھی۔

پھر وہ کیوں آتا ہے۔؟

زینیا نے اسے غور سے دیکھا۔آتا ہے ؟اسکا مطلب ہے۔وہ کئی بار آ چکا ہے۔اسکا مطلب ہے آپ واقعی پرابلم ہیں۔

یا پھر میں پرابلم،،میں،،ہوں۔مہدی نے استہزائیہ سر جھٹکا تھا۔خیر تمہارا نمبر میرے پاس ہے۔آج رات میری دوست تمھیں کال کریں گی۔بات کر لینا۔ٹیسٹ بھی دے دینا۔اور پھر اسلام آباد آنا۔تمھارے جیسے لوگوں کی ضرورت ہے میرے شہر کو۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔زینیا کے چہرے سے نظر ہٹالی۔اب اسکے عقب میں کوئی سورج نہیں تھا۔ہر سو اندھیرا چھانے لگا تھا۔بس ایک وہ فیروزے کی لونگ تھی جو چمک رہی تھی۔

مہدی نے جانے کو قدم موڑے پھر ایک پل کو رکا۔

ویسے تم اتنی زہریلی نہیں ہو جتنی لگتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

wierdo لیکن آپ مجھے آج بھی اتنے ہی

لگتے ہیں۔وہ کچھ نہیں بولا بس مسکراتے ہوئے پلٹ گیا تھا۔زینیا کئی لمحے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

یہ آدمی اس سیارے کا نہیں ہے۔اس نے اعتراف کیا تھا۔

زینیا جب بشر کے ساتھ گھر پہنچی تو رات اتر آئی تھی۔وو کچھ الجھی ہوئی سی تھی۔بشر اندر جاتے ہوئے اس سے کچھ پوچھ رہا تھا۔اور وہ بے دھیانی میں جواب دے رہی تھی۔ابھی وہ دونوں صحن کے بیچ میں تھے۔جب حاکم نواب کی سنجیدہ آواز پہ ٹھہر گئے۔

کہاں سے آرہی ہو۔؟

یہ انداز یہ لہجہ سب مختلف تھا۔زینیا نے غور سے انکی آنکھیں دیکھیں۔اگلے ہی سیکنڈ اسے پتہ لگ گیا تھا کہ ابا کو سب پتہ لگ چکا ہے۔وہ لوگوں کے چہرے پڑھ لیتی تھی۔بشر نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر ہلکے پھلکے لہجے میں جواب دیا۔

www.novelsclubb.com

پھپھو کے گھر گئے تھے ابا۔بتایا تو تھا۔دادا لوگ آج واپس گاؤں چلے جائیں گے۔ملنے گئے تھے۔عادت کے بر خلاف زیادہ الفاظ بول گیا تھا وہ۔

ابا آگے بڑھ آئے عین ان دونوں کے سامنے زینیا بغیر پلک جھپکے انھیں دیکھ رہی تھی۔ انکے عقب میں کونج،اور اماں بھی تھیں۔

میں نے زینیا سے پوچھا ہے۔کہاں تھی تم زینی۔؟انکا لہجہ ہنوز سخت تھا۔

پھپھو کے گھر نہیں تھی۔بلکہ پچھلے تین دنوں سے میں پھپھو کے گھر گئی ہی نہیں۔میں اپنا کام کر رہی تھی ابا۔میں فوٹو گرافی کرنے گئی تھی۔وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی۔ساری الجھنیں ختم ہو گئی تھیں۔پھپھو کے گھر کو چھوڑ کر اس نے فوٹو گرافی چن لی تھی۔اسی لمحے حاکم نواب کا بھاری ہاتھ اٹھا تھا۔اس سے پہلے وہ زینیا کے چہرے کو چھو پاتا بشر اس ہاتھ کو روک چکا تھا۔

www.novelsclubb.com

جرات کیسے ہوئی تمہاری میرا ہاتھ روکنے کی۔؟وہ پوری قوت سے دھاڑے تھے۔بشر نے اب بھی انکا ایک ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔دوسرے سے زینیا کو اپنے عقب میں کیا۔

جھوٹ بول بول کر جاتی رہی ہے یہ۔شرم نہیں آئی باپ سے جھوٹ بولتے ہوئے۔؟وہ غرا رہے تھے۔اماں اور کونج نے بے اختیار اپنے منہ پہ ہاتھ رکھا تھا۔

مجھ سے کہتی ہے اپنے دادا سے ملنے گئی ہے۔آج فون آیا تھا ادا کا ایک بار بھی تم لوگ وہاں نہیں گئے ایک بار بھی نہیں۔انکی آواز بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔

زینیا بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔بغیر پلک جھپکے۔بغیر کسی افسوس کے۔

میری بہن میرے ساتھ جاتی ہے ابا۔اگر آپ کو مسئلہ ہے تو مجھ سے بات کریں۔کیا میں اتنا بے غیرت ہوں؟اپنی بہن کو کہاں لے کر جانا ہے کیا مجھے نہیں پتہ۔؟اسکا لہجہ دھیما ہی تھا۔لیکن اس میں سختی واضح تھی۔

آپ کی بہن،آپ کے ابا ضروری ہیں لیکن میری بہن میری اماں بھی ضروری ہیں۔آپ اس طرح مار نہیں سکتے ابا۔بشر نے اب کے آہستگی سے انکا ہاتھ چھوڑا۔

حاکم نواب تلملا کر رہ گئے۔لیکن اب کے دھیمے بھی ہوئے تھے۔جوان اولاد وہ بھی بیٹا اسکے سامنے ماں باپ یونہی دھیمے پڑ جایا کرتے ہیں۔

میں معذرت خواہوں۔آپ کو بتانا چاہیے تھا نہیں بتا سکا۔لیکن آپ کو مجھ پہ یقین ہونا چاہیے ابا۔میں اپنی بہن کو اگر کہیں لے کر جا رہا ہوں تو اتنا یاد رکھیں کہ میں بے غیرت نہیں ہوں۔

بس اب بکواس بند کرو اپنی۔ابا نے سختی سے جھاڑا تھا۔تم کونسا کوئی اچھی اولاد ثابت ہوئے ہو۔تمہاری عمر میں دو بچے تھے میرے اور تم اب تک باپ کے سینے پہ مونگ دل رہے ہو ۔ناکام عاشق۔شہر بھیج کر بگاڑا ہے میں نے تمھیں۔لیکن اب بس۔وہ جیسے فیصلہ کر چکے تھے۔

آج ابا نے اور میرے بھائیوں نے طے کر دیا ہے۔تمہاری شادی عروج سے ہی ہو گی۔اور کل تم دونوں کی منگنی ہے۔تیار رہنا۔وہ چبا چبا کر کہتے آگے بڑھ گئے تھے۔زینیا اب بھی بت بنی کھڑی تھی۔اماں نے قریب آ کر اسکا بازو پکڑا تھا۔وہ اسے اپنے ساتھ لے کر جانے لگیں۔لیکن پھر وہ ہوا جو کسی نے اپنے گمان میں بھی نہیں سوچا تھا۔

،،بالاج سے شادی کرنے کی ایک شرط ہے ابا۔،،۔

وہ جو برامدے کا دروازہ پار کر ہی رہے تھے۔ایک پل کے لئے ٹھہر گئے۔یوں اپنی شادی کی بات تو اس خاندان کے لڑکے بھی نہیں کرتے تھے۔ابا کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔جبکہ زینیا اسی طرح گردن اٹھائے بول رہی تھی۔

میری اسکالرشپ آئی ہے۔۔اسلام آباد میں پڑھنے بلایا ہے۔اور میں جاؤں گی ابا۔

میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔وہ ایک بار پھر غرائے تھے۔

توڑ دیجئے اسکے بعد تو آپ کا بھتیجا ویسے ہی شادی سے انکار کر دے گا۔بشر نے سختی سے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔یہ زیادہ ہو رہا تھا۔

آپ جس سے چاہیں گے میں شادی کر لوں گی لیکن مجھے دو سال میرے لئے چاہیے ابا۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں۔کچھ بننا چاہتی ہوں۔اسکے بعد آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔نہ بلند آواز نہ غصہ وہ بات کر کے کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

میں اسکا ساتھ دوں گا۔اسکی پڑھائی سے مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بشر نے اپنا اعلان کیا اور باہر کے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

پیچھے ابا تھے۔جواب تک اپنی بیٹی کے الفاظ پر اسس نہیں کر سکے تھے۔

باہر آ کر دیکھو تو بشر گلی میں بے چینی سے یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا۔اسکے ہاتھ ایک نیا نمبر ڈائل کر رہے تھے۔ نمبر کے ماتھے پہ عبداللہ لکھا تھا۔وہ بے قراری سے کال پہ کال ملائے جا رہا تھا۔بے قراری حد سے بڑھ رہی تھی۔آج اس اٹھائیس سالہ مرد کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔گھنٹیاں پلٹ پلٹ کر واپس آ رہی تھیں۔کال اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔بشر بار بار اپنے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر خود کو پر سکون کرتا تھا۔

تقریبا انتیسویں بیل پہ کال اٹھالی گئی تھی۔بشر نے ڈھیر سارا غصہ، ملامت، غیرت اندر بعد وہ بولا تو اسکی آواز ہلکی تھی۔ اتاری۔کئی لمحوں

آجاؤ عبداللہ۔ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔اسکی آواز اتنی ہلکی تھی کہ آس پاس بہتی ہوا نے بھی یہ راز نہ سن پانے کا گریہ کیا تھا۔آگے سے کچھ کہا گیا تھا۔بشر نے ہاتھ کی مٹھی ایک بار پھر بھینچ لی۔

www.novelsclubb.com

میں غیرت مند ہوں تب ہی تم سے کہہ رہا ہوں اپنی امانت لے جاؤ۔اسکا دل مت دکھاو پلیز۔تم چاہے ساری زندگی اسے ہم سے نہ ملنے دینا۔چاہے ساری زندگی اسکی شکل نہ دکھانا لیکن اسکا دل مت توڑو۔وہ منت کرنے کے انداز میں بولا تھا۔

ایک بار سامنے والے نے کچھ کہا تھا۔بشر کی ساری امیدیں ٹوٹ کر کرچی ہو گئیں۔اسے زندگی میں اتنا غصہ پہلی بار آیا تھا۔اتنی بے بسی پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔اور شاید اتنی ذلت بھی پہلی بار ہوئی تھی۔

یعنی تم نہیں آؤ گے۔؟ پھر تیار رہنا میں اسکے نام کے ساتھ عبداللہ ہٹا رہا ہوں۔

اگر تم نے ایسا سوچا بھی تو میں تمہاری لاش کے ٹکڑے سمندر میں بہاؤں گا۔دوسری جانب اتنی سختی سے کہا گیا تھا کہ بشر طنزیہ مسکرایا۔

اب اگر تم آئے تو تمہاری موت بھی میرے ہاتھوں ہو گی عبداللہ۔اس نے کہہ کر کال کاٹ دی تھی۔

بشر نے ایک نظر اپنے گھر کو دیکھا اسکے چہرے پہ ایک بار پھر کرب تھا۔یہ گھر کرسڈ تھا۔یہاں کبھی کسی کو کسی کو محبت نہیں ملی تھی۔

www.novelsclubb.com

ساحلی پٹی سے ملحقہ گوادر میرین ڈرائیو marine drive رات کے پہر ایک انتہائی دلکش منظر ہے۔ لمبے لمبے پول پہ لگی سفید بتیوں کی روشنی میں نظر آتا سمندر، ٹھنڈی ہوا۔ اور گاڑی میں بیٹھا کوئی شخص۔ سست رفتاری سے چلتی گاڑی سے اگر کوئی منظر انجوائے کرنا ہو تو یہی وہ منظر ہے۔ رات کے کسی بھی پہر یہ سمندر اپنے سیاحوں کے دل کو چھو لینے کی جرات رکھتا تھا۔

اس وقت سبز آنکھوں والا مرد مرین ڈرائیو پہ نکلا تھا۔ لیکن جس سپیڈ سے یہ گاڑی چل رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی انتقامی جذبے کے تحت اسے چلا رہا ہو۔ اسکا فون بج بج کر خاموش ہوا جا رہا تھا۔ چہرے پہ جنون سا سوار تھا۔ سبز آنکھیں وحشت زدہ تھیں۔ اسکے موبائل پہ ایک کال بج بج کر ختم ہوتی تو دوسری شروع ہو جاتی۔ ہر بار کال کرنے والے کا نام نائٹ میئر ہی ہوتا۔ اسی لمحے اسکی گاڑی جیسی ہی رفتار والی گاڑی اس سڑک پہ اسکے ہم قدم ہوئی۔

سیاہ رینج روور۔ قیس کی گاڑی۔ وہ آگیا تھا۔ اسے آنا ہی تھا۔ اپنے خاندان کے لئے وہ ہر دفع آجایا کرتا تھا۔ گاڑی کا شیشہ کھولے وہ مہدی کو پکار رہا تھا۔

گاڑی روکو مہدی۔ اسکی آواز بلند تھی۔ دوسرے ہاتھ میں پکڑے موبائل سے وہ مسلسل کال پہ کال ملا رہا تھا۔ مہدی کی گاڑی کے شیشے کھلے تھے۔ آواز بخوبی اسکے کانوں تک جا رہی تھی۔ لیکن وہ گاڑی نہیں روک رہا تھا۔

مہدی گاڑی روکو ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ گاڑی روکو خبیث انسان۔ وہ گاڑی کے شیشے کے بلکل قریب ہو کر غرایا تھا۔

مہدی کی آنکھیں جنونی تھیں۔ کان یوں لپیٹ رکھے تھے گویا اب کوئی بات سننی ہی نہیں ۔ سڑک پہ دوڑتی ان دونوں کی گاڑیاں ایک دوسرے کی گاڑیوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ قیس کی مہارت تھی۔ کہ وہ ہر بار گاڑی موڑ کر دور لے جاتا تھا۔ سڑک پہ گزرتی کئی گاڑیوں کے ڈرائیورز نے ان دونوں جنونیوں کو درجن بھر گالیاں دے ڈالی تھیں۔

مہدی کی گاڑی فراٹے بھرتی گزر رہی تھی۔ اب کے قیس اسے روک نہیں رہا تھا۔ وہ اسے سے زیادہ تیز رفتار میں گاڑی چلاتے ہوئے آگے جا رہا تھا۔ اس سڑک پہ دوڑتی اسکی

گاڑی میزائل کی سپیڈ سے نظروں سے اوجھل ہو رہی تھی۔اور اسی لمحے عین اسی پل تمہاری آنکھیں یہ منظر دیکھیں گی۔کہ قیس کی گاڑی سڑک کے بیچ و بیچ کھڑی ہو گئی تھی۔ فاصلے سے اپنی گاڑی کو دوڑاتے مہدی نے فوراسے پہلے گاڑی کی رفتار کم کی تھی۔

قیس گاڑی سے باہر نکل آیا تھا۔سڑک کے اطراف میں لگے پول اور کھجور کے لہلہاتے درختوں نے سانس روک کر اسے دیکھا تھا۔وہ کس دلیری سے سڑک کے بیچ و بیچ کھڑا تھا۔ مہدی کی گاڑی اسکی موت تھی۔جو کسی بھی پل اسے کچل کر آگے بڑھ سکتی تھی۔

گاڑی ابھی اس سے ٹکراتی کہ اسی پل چلتے ٹائر تھم گئے۔بریک لگ گئی تھی۔سکوت،سناٹا ،گہری سانسیں۔ماحول میں سب کچھ ایک ساتھ پھیل گیا۔کھجور کے درخت اور لائٹنگ پولز نے اب تک دم سادھ رکھا تھا۔نہ بتی جل بجھ ہوئی۔نہ درخت کی شاخیں ہلیں۔ان دونوں نے اپنے سامنے ایک شخص کو دیکھا تھا۔ایک ایسا شخص جو ابھی ابھی موت کے منہ سے باہر نکل آیا تھا۔نہ اسکے چہرے پہ خوف تھا۔نہ گھبراہٹ۔وہ اب بھی پر سکون تھا۔ یوں جیسے اسے موت سے خوف آیا ہی نہ ہو۔

اسی لمحے قیس آگے بڑھتا دکھائی دیا۔لوگ اسے پکار رہے تھے گاڑی ہٹانے کو کہہ رہے تھے۔لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔بات جب اسکے خاندان پہ آجائے تو وہ نہیں سنا کرتا تھا۔ مہدی بے دھم سا ہو کر سیٹ کے ساتھ لگ گیا تھا۔اسے لگا تھا وہ سانس بھی نہیں لے پا رہا ۔قیس اسکی وجہ سے مرنے تک کو تیار تھا۔دل کے گلٹس مزید گہرے ہونے لگے۔وہ آیا مہدی کی جانب کا دروازہ کھول کر اسے بازو سے پکڑ کر باہر نکالا۔مہدی بغیر مزاحمت کے باہر نکل آیا۔اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔زبان تالو سے چپک کر رہ گئی تھی۔لوگوں کی بولیاں سٹریٹ پولز کی روشنیاں اور اسے ان سب کے درمیان سے نکال کر لے جاتا قیس ۔

کچھ بھی کسی بھی طرح اسکی یادداشت کا حصہ نہیں بن پا رہا تھا۔وہ ساکت تھا سن اور شل۔

www.novelsclubb.com

زینیا حاکم کے کمرے میں زرد بلب کی روشنی تھی۔وہ ایئر پوڈ کانوں میں لگائے بیڈ پہ بیٹھی تھی۔سامنے لیپ ٹاپ رکھا تھا۔وہ سنجیدگی سے کسی سے بات کر رہی تھی۔کسی ادھیڑ عمر

عورت سے۔کسی اکیڈمی کی بات،رہائش اور ضروریات کی بات۔اسکے چہرے پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔سنجیدگی تھی۔آنکھوں میں ان دیکھا انتقام سا تھا۔یوں کہ اسکے قریب دوسری جانب بیڈ پہ بیٹھی کونج اس سے بات کرتے ہوئے بھی سوچ رہی تھی۔

تھینکیو سو مچ۔میں اگلے ہفتے اسلام آباد آجاؤں گی۔زینیا کی بات پہ کونج نے ہول کر دیکھا تھا اسے۔

,, نہیں اس سے پہلے نہیں آسکتی۔میرا نکاح ہے اس جمعے۔نکاح کے فورا بعد آجاؤں گی۔ انشااللہ۔آپ کا شکریہ۔،،اس نے الوداعی کلمات کہہ کر کال کاٹ دی۔اب کے اس نے ٹھہر کر کونج کو دیکھا۔وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔آنکھیں بھر بھر رہی تھیں۔لو جی انکے آنسو ایک بار پھر بہنے کو تیار تھے۔

،،یہ رشتہ مت قبول کرو پلیز۔تمھارے لئے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے زینی۔،،

،،زینیا نے استہزاہ سے سر جھٹکا۔جن لڑکیوں کے منگیتر انہیں ڈس اون کر دیں۔انکے لئے رشتے نہیں سمجھوتے آتے ہیں۔بالاج سے بہتر سمجھوتہ کون ہو گا۔؟وہ خاندان کا سب سے ڈیسنٹ مرد ہے۔،،

ہک ہاہ۔ کونج نے طنزیہ سر جھٹکا۔،، تمھیں کیا لگتا ہے اگر وہ بڑے شہر سے پڑھ کر آیا ہے تو تمھیں سمجھ جائے گا۔؟ تمھیں اسلام آباد لے جائے گا۔؟ تم سے نوکری کروائے گا۔؟ وہ مر کر بھی نہیں مانے گا۔ خاندان کے باقی،، مردوں جیسی غیرت ہے اسکی بھی۔

،،اسے بشر منائے گا۔ وٹے سٹے کی شادیوں میں دونوں طرف کی شرطیں مانی جاتی ہیں۔،،

ابھی کونج کوئی جواب دیتی کہ کمرے کا دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا تھا۔ سرخ آنکھیں لئے بشر اندر آیا۔

،،یہ ابا سے کیا بکواس کی ہے تم نے۔؟ کونسی اسکالرشپ اور کونسا اسلام آباد۔؟،،

،،شرم نہیں آئی تمھیں بکواس کرتے ہوئے۔؟،، وہ چبا چبا کر سخت غصے سے کہہ رہا تھا۔ زینیا نے اسے دیکھتے ہوئے پیر آہستگی سے نیچے اتارے۔ اب وہ قدم قدم چلتی ہوئی بشر کی طرف آرہی تھی۔

www.novelsclubb.com

،،میں نے اگر ابا کے سامنے تمہاری وکالت کر دی ہے۔ تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ مجھے برا نہیں لگا۔ میں تمہاری ٹانگیں توڑ کر گھر بٹھا دوں گا اگر تم اس ٹریول گروپ کے کسی آدمی کی باتوں میں آئیں۔،، اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا تھا۔

،،تو کیا کروں میں؟ شادی کر کے اماں جیسی زندگی گزار دوں؟،،وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔بشر نے کوفت سے اسے دیکھا۔

،،میں نے ایسا کب کہا ہے۔؟میں تمھیں شہر بھیجوں گا۔اپنے پیسوں پہ۔تم ایم فل کرو سی ایس ایس کرو۔یا پھر کوئی اور نوکری۔لیکن تم ان اسکالر شپس پہ کہیں نہیں جا رہیں۔ابا کبھی نہیں مانیں گے۔،،

جانتے ہو ابا کیوں نہیں مانیں گے۔؟تم وجہ تم ہو صرف تم۔اسکے لہجے میں الزام تھا۔

اگر تم نے ابا کی امیدیں پوری کی ہوتیں اگر تم شہر جا کر محبت میں پڑنے کو بجائے کچھ بن کر آئے ہوتے تو آج حالات مختلف ہوتے۔بشر نے بے یقینی سے اسے بولتے ہوئے دیکھا۔

کیا یہ اسکی بہن تھی۔؟

انکے عقب میں پلنگ پہ بیٹھی کونج نے بھی زینیا کا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔یہ تنفر یہ الزام تراشی یہ سب کیا تھا۔؟

زینیا سرخ نم ہوتی آنکھوں سے غرا رہی تھی۔

،، تمہیں شہر پڑھنے بھیجا تھا۔ ابا نے سوچا تھا بیٹا افسر لگے گا۔ لیکن تم محبت کی ناکام ڈگریاں لے کر واپس آئے ہو۔،،

میں اماں کو نج آج اس حالت میں تمہاری وجہ سے ہیں۔ ابا کے طعنوں میں ایک طعنے کا اضافہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ بشر کچھ نہیں بولا۔ وہ بس ساکن سا اسے سنے گیا۔ یہ اتنی بڑی کب ہو گئی۔؟ وہ جس ہاتھ سے انگلی پکڑ کر ساتھ قدم اٹھانا سکھایا تھا۔ وہی آج انگلی اٹھا کر بات کر رہی تھی۔

،، میں اگر آج شادی کر کے ایک جاہل کے پلے باندھ دی جاؤں گی تو اسکی وجہ بھی تم ہو گے۔ اگر تمھیں لگتا ہے تم مجھے پڑھا سکتے ہو تو تم غلط ہو بشر۔،، اسکی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

،، تمہارا سارا پیسہ ابا کے شوق پورے کرنے میں جائے گا۔ وہ ابا جنکو لگتا ہے۔ وہ آج بھی نواب ہیں۔ نہ تم مجھے کچھ دے سکے اور نہ دے سکو گے۔ لالہ رخ کو در گور کیا اب مجھے بھی کرو گے۔ اگر تم نے میرے ساتھ ایسا کچھ کیا تو خدا کی قسم ساری زندگی میرے دل سے

کوئی اچھی دعا نہیں نکلے گی تمھارے لئے۔،،وہ بول بول کر تھک چکی تھی۔ تنفس تیز ہو گیا تھا۔لیکن لہجے کی بغاوت کم نہ ہوئی۔

بشر چند لمحہ اسے بے یقینی سے دیکھتا رہا۔اور پھر دھیرے سے چند لفظ بول سکا۔

،_ میں نے ساری زندگی تم لوگوں کے لئے قربانی دی ہے زینی۔تم میری بہنیں نہیں میرے بچے ہو۔ تمھیں لگتا ہے میں نے تمھارے ساتھ ظلم کیا ہے۔؟،،

تو اور کیا کہوں میں ادا۔؟وہ پھٹ پڑی تھی۔اور کیا کہوں میں؟ تھک گئی ہوں اس طرح مر مر کے جیتے ہوئے۔دوپہر میں کھاتے ہیں تو رات کا سوچنے لگ جاتے ہیں۔اچھا کھانا کھاتے ہوئے مہینے گزر جاتے ہیں۔کپڑے، جیولری میک اپ ہر ایک چیز کے لیے ترسنا پڑتا ہے۔

تم مجھ سے کہہ دیتیں زینی۔بشر کی آواز ہلکی تھی۔منت زدہ۔

،،میں کیوں کہوں بشر؟تم میرے باپ نہیں ہو۔اور میرے باپ کو میری فکر نہیں ہے۔ مجھے اچھا کپڑا چاہیے مہنگے برانڈڈ جوتے چاہیے۔اچھے لذیذ کھانے چاہیے۔تم نہیں دے

سکتے۔عبداللہ نہیں دے سکتا۔بالاج بھی نہیں دے سکتا۔مجھے سب کچھ اپنے دم پہ چاہیے ۔تیز تیز بولتے ہوئے اسکا تنفس پھول رہا تھا۔چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔گلہ دکھ رہا تھا۔

یہ سب کچھ مل جاتا اگر تم نے ابا کی خواہش پوری کی ہوتی۔اگر عبداللہ آیا ہوتا۔لیکن دونوں نہیں ہو سکے۔تم نے بشر تم نے میری زندگی برباد کی ہے۔اور میں تمھیں ساری زندگی اسکے لئے معاف نہیں کروں گی۔یاد رکھنا۔

وہ بول کر ہٹ گئی تھی۔بشر چند لمحے چوکھٹ پہ کھڑا رہا۔اور پھر پلٹ گیا۔یہ وہ بچی نہیں تھی جسے ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھایا تھا۔اس کے دل میں ڈھیر سارا غصہ تھا۔یہ بشر کی زینی نہیں تھی۔وہ مایوس تھکے تھکے قدم لیتا جا رہا تھا۔کونج نے افسردگی سے اسے جاتے دیکھا۔اور پھر الماری سے ٹیک لگائے کھڑی زینیا کو۔اسکے چہرے پہ کرب تھا۔اسے ہرٹ کر کے خوش وہ بھی نہیں تھی۔سرخ آنکھیں ڈسٹرب چہرہ اور یہ رہی دی ڈھیٹ زینیا حاکم۔

تم کیا کر رہی ہو زینی۔؟سانولی لڑکی نے تاسف سے سوال کیا تھا۔

،،میں دنیا سے اپنا حق لے رہی ہوں۔چھین کر، جھپٹ کر، مار کر یا پھر مر کر۔،،

کیا تمھیں یہ حق ہے کہ تم اپنے بڑے بھائی سے اس طرح بات کرو۔؟ کیا اسکا کوئی حق نہیں تم پہ۔؟

مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔میں دوسری امینہ بیگم نہیں بنوں گی سب یاد رکھو۔

سختی، ضد، ڈھیٹ پنا کیا نہیں تھا اسکے لہجے میں۔؟

رات کے سماں وہ دونوں سمندر کنارے رکھے بڑے بڑے پتھروں پہ بیٹھے تھے۔دور پار سے کہیں ذرا سی روشنی بھٹک بھٹک کر یہاں بھی آجاتی تھی۔اس وقت ساری روشنی قیس کے چہرے پہ تھی۔اسکا گندمی چہرہ روشنی پڑنے سے واضح دکھائی دے رہا تھا۔مہدی اندھیروں میں تھا۔اس نے اپنی زات کے لئے ہمیشہ اندھیرے کیوں چنے تھے۔؟اسکے ہاتھ میں گن تھی۔جسے وہ اپنی انگلیوں میں گھما رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

وہ کہانی کا وکٹم نہیں ولن لگتا تھا۔ قیس سکون سے چند پل اسے دیکھتا رہا۔اور پھر اٹھ کر اسکے قریب آکر رکا۔ مہدی کو ٹھوڑی سے پکڑ کر اسکا چہرہ اونچا کیا۔اب اسکی سیاہ آنکھیں مہدی کی سبز آنکھوں میں گڑھ رہی تھیں۔

،،تم کیا کرنے والے تھے۔؟،،چبا چبا کر بس یہی پوچھا گیا۔ مہدی نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔ایک جنونی سیریل کلر جیسی سپاٹ نظریں۔

،،میں کرنے والا تھا نہیں۔ میں کرنے والا ہوں۔ میں اس آدمی کو جان سے مارنے والا ہوں۔اور میں یہ کر کے رہوں گا۔اسکی ہمت کیسے ہوئی مجھے کال کرنے کی۔،،آخر میں وہ ہلکی آواز میں بڑبڑایا تھا۔ قیس نے ایک جھٹکے سے اسکا چہرہ چھوڑا۔

،،ایک لڑکی جسکا پہلا کمفرٹ تم تھے۔اسے ذلیل کیا۔اسکے سارے خاندان میں اسکا مذاق بنایا۔اسکی ذات سوالیہ نشان بنادی۔اب اسی لڑکی کا دوسرا اور آخری کمفرٹ اسکا واحد سہارا۔اسکے قریب موجود واحد مرد بھی اس سے چھین لوگے۔؟تم کتنے horrible ہو مہدی۔؟،،آخر میں وہ ملامت کر رہا تھا۔

مہدی نے تنفر سے سر جھٹکا تھا۔اسکے انداز میں اب بھی بے چینی تھی۔

مہدی، تم اس لڑکی کے ساتھ اب مزید کچھ برا نہیں کرو گے۔اس سے اپنا آپ چھینا ہے لیکن اب اسکا دوسرا کمفرٹ میں تمھیں چھیننے نہیں دوں گا۔

تمھیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔؟اسکے نام کے ساتھ میرا نام آتا ہے تمہارا نہیں۔آخر کیوں قیس۔؟کیوں۔؟اسکے ہرٹ ہونے سے تمھیں کیوں ہرٹ ہوتا ہے۔؟

مہدی اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔قیس کا رنگ فق ہوا تھا۔اسکے گلے میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی تھی۔سمندر کی لہریں اسکے پیروں کو چھو کر پلٹ رہی تھیں۔ وہ بھی جواب مانگ رہی تھیں۔

چند پل خاموشی میں بیت گئے۔قیس نے پلکیں جھپکا کر مہدی کو دیکھنے کی کوشش کی۔

اسے ہرٹ ہوتا ہے۔تو مجھے بھی ہرٹ ہوتا ہے۔دھیرے سے کئے گئے اعتراف پہ چند پل کے لئے سارا گوادر ساکن ہو گیا۔

،،وہ قیس کی واحد دوست تھی۔میں نے اسکے بعد کبھی دوست نہیں بنائے مہدی۔،،اسکی آواز اتنی ہلکی تھی کہ مہدی بامشکل سن سکا۔میرے لئے وہ اہم ہے۔ہمیشہ رہے گی۔ قیس کی واحد دوست۔وہ میرے دل کے بہت قریب رہی ہے۔

اسکے بارے میں بکواس مت کرو۔ومہدی غرآیا تھا۔چہرہ سرخ ہونے لگا۔قیس نے ٹھنڈی لمبی سانس بھری۔

وہ میرے دل کے بہت قریب رہی ہے۔الفاظ ایک بار پھر دہرائے۔اسے ہرٹ ہوتا ہے تو مجھے برا لگتا ہے۔جو لوگ قیس کے دل کے قریب ہوں۔انہیں کوئی ہرٹ نہیں کر سکتا ۔ایک پل کو رکا۔قیس خود بھی نہیں۔چبا چبا کر باور کرایا۔

مہدی نے اسکی بات گویا سنی ہی نہیں۔،،میں آج،ابھی اور اسی وقت اس آدمی کو جان سے مار دوں گا قیس۔تم مجھے آج روکو گے۔لیکن میں کل پھر آؤں گا۔تم مجھے تب روکو گے ۔میں ایک بار پھر آؤں گا۔جب تک میں اسے مار نہیں دیتا مروں گا نہیں۔،،

اس نے گن لوڈ کی۔ قیس پہ ایک جتاتی نظر ڈالی اور آگے بڑھنے لگا۔ قیس پر سکون سا اسے جاتا ہوئے دیکھتا رہا۔ چند قدم دور گیا ہی ہو گا۔ جب قیس نے اپنے قدم اسکی جانب بڑھائے۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

تم کب قبول کرو گے مہدی۔؟ سبز آنکھوں والے مرد کے قدم رکے۔ میں تمھیں بچپن سے جانتا ہوں۔ میں نے تمہارا ہر رنگ دیکھا ہے۔ میں تمہاری ہر خصلت سے واقف ہوں۔ سیاہ آنکھوں والے مرد کے قدم بھیگی چاندنی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ سمندر کا ٹھاٹھیں مارتا شور بھی اسکی آواز کم نہیں کر پا رہا تھا۔

تم نے آج تک کسی انسان کو جان بوجھ کر تکلیف نہیں دی۔ تمہارا دل کرسٹل کلئیر ہے۔ تم خون نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ اسی خون نے ہم سے ہمارے اپنے دور کئے تھے۔ ایک پل کے لئے مہدی کے دل پہ قیامت آکر گزر گئی تھی۔ گن والا ہاتھ بے دھم ہو کر پہلو میں گرا۔

قیس اسکے عقب میں بلکل قریب آکر رکا۔

،، تم اسکے کمفرٹ کو مارنے نہیں جا رہے۔ تم بس ایک نظر اسے دیکھ کر آنا چاہتے ہو۔ کیونکہ تم اس سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتے ہو کہ اسکے لئے مر جاؤ۔ یا مار دو۔،،

مہدی کے ہاتھ سے گن چھوٹ کر گری۔ اسکا جسم سارا کا سارا ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ ساکت شل ۔ سبز آنکھیں سچ کی طاقت نہ سہتے ہوئے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہ بھی ہمارے خاندان کا حصہ تھی مہدی۔ لیکن اب ہم سے دور ہے۔ ہم سب سیاہ بن گئے ہیں۔ وہ اب بھی اچھی ہے۔ اسکے اندر اب بھی خوشی ہے۔ وہ بسمل نہیں ہے۔ یا شاید وہ خود کو بننے نہیں دے گی۔ اب کے قیس کا لہجہ مختلف تھا۔ ہارا ہوا سا۔ اسے بہت آگے جانا ہے۔ اسکا مستقبل بلندیاں ہیں۔ کیوں اسکی راہ کا پتھر بننا چاہتے ہو۔؟

مہدی کچھ نہیں بول سکا۔ الفاظ گوادر کے ساحل میں بہہ گئے تھے۔ لہروں نے چند پل کے لئے سوگ کا اعلان کیا۔ قیس کہے گیا۔

،، ہم نے اپنی زندگی برباد کی۔ وہ نہیں کر رہی۔ آج بھی اپنے لئے لڑ رہی ہے۔ اور اس لڑائی میں اسکا ساتھ دینے کے لئے ایک ہی مرد ہے۔ تم اسے مارنا چاہتے ہو۔؟ تمھیں کیا لگتا ہے وہ اسے ہرٹ کرے گا۔؟،،

قیس نے نفی میں سر ہلایا۔آنکھوں میں ایک پل کے لئے سفاکی اتر آئی۔جس نے بھی اسے ہرٹ کرنے کی کوشش کی میں اسے اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔سوائے تمھارے۔

مہدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسکا چہرہ اپنی جانب موڑا۔وہ ہنوز گردن جھکائے ہوئے تھا۔شرمندگی سے ٹھوڑی سینے سے آن لگی تھی۔

لیکن اگر تم اب بھی چاہتے ہو کہ میں اسکا کمفرٹ چھین لوں۔تو میں اپنے گھر کے مرد کو ایک عورت پہ ترجیح نہیں دوں گا۔نیچے جھک کر ریت پہ پڑی گن اٹھالی۔

،،ہر خاندان میں ایک ابلیس ہوتا ہے۔اور ایک عزازیل۔ہمارے خاندان میں ابلیس میں بنوں گا۔کسی کے ہاتھ اگر خون سے رنگے جائیں گے تو وہ قیس ہے۔کسی کو قبر کے بچھو نوچیں گے تو وہ قیس ہو گا۔اپنے خاندان کو جو چاہیے میں گدھ کی طرح لا کر دوں گا۔نوچ کر، جھپٹ کر۔،، لیکن میں اس نے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔

میں اپنے خاندان کے کسی فرد کو ابلیس بننے نہیں دوں گا۔لوڈڈ گن سے ریت پہ ایک فائر کیا ۔لوہے کا ذرا چنگاری چھوڑ کر ریت میں دب گیا۔قیس نے ایک بار پھر گن لوڈ کی۔مہدی

نے اسکے ہاتھ پکڑ لیا۔ جھکی ہوئی گردن اٹھائی۔ گیلی آنکھوں سے اسکا چہرہ دیکھا۔ سبز آنکھیں رنجیدہ تھیں۔

،، میں کچھ نہیں چاہتا اب۔ میں بس قبول کر چکا۔ اب میں اسے نہیں دیکھوں گا۔ نہیں سنوں گا۔ اسکی پکار پہ اب کبھی گوادر کے ساحل نہیں آؤں گا۔،،

میں قبول کر چکا قیس۔ میں قبول کر چکا۔ وہ بے بسی سے بولا تھا۔ مجھے بس یہاں سے جانا ہے۔ پلیز میرے ساتھ چلو۔ کچھ وقت کے لئے اپنی نفرت چھوڑ دو۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ تم میرا خاندان ہو۔ میرے بھائی ہو۔ مجھے یہاں سے لے جاؤ۔ ضبط سے سرخ ہوتی آنکھیں بھاری آواز۔ اسکے بس میں نہیں تھا کہ چیخ چیخ کر رو پڑتا۔ قیس نے گن کو اپنے کوٹ کی جیب میں ڈالا۔ بے تاثر چہرے سے مہدی کو دیکھا۔

چند پل بعد وہ دونوں مرین ڈرائیو پہ تھے۔ دونوں کے دل بھاری تھے۔ چہرے بے تاثر۔ سانسیں بوجھل۔ کم از کم یہ سفر مہدی کے لئے محبت نہیں تھا۔

بوجھل خاموشی ٹوٹی تو ایک بار پھر ایک نیا قہر برپا ہونا شروع ہوا تھا۔اپنے کمرے میں پلنگ پہ لیٹی زینیا کی آنکھیں چھت سے لگی تھیں۔جب تھوڑی دیر بعد اسے اپنے قریب کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔اس نے بازو آنکھوں پہ رکھ لیا۔شیشوں کے بھاری کام والے گھے کے بازو نے اسکا سارا چہرہ ڈھانپ دیا۔زینیا اس آہٹ کو پہچانتی تھی۔یہ اسکی اماں تھیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اسکے پاس آکر بیٹھ گئیں۔چند لمحوں کی خاموشی کے بعد انہوں نے بولنا شروع کیا تھا۔

،،کیا اپنے ابا کی بات مان لو گی زینی۔؟ بالاج کی ماں کو جانتی ہو ناں۔؟ وہ تمھارے ساتھ کیسا سلوک رکھے گی۔؟،،

،،اگر عبداللہ کی ماں زندہ ہوتی تو پھولوں کے ہار نہ ڈالتی۔،،آج کل وہ بڑی نڈر ہو گئی تھی ۔اپنے منگیتر کا نام سر عام لینے لگی تھی۔اماں اسکے قریب بیٹھی تھیں۔زینیا ہنوز بازو آنکھوں پہ رکھے لیٹی رہی۔

تم میں اب ذرا سی بھی لاج نہیں رہی کیا۔؟یوں اپنی شادی کی بات کرو گی اپنے ابا سے ۔؟تاسف سے کہا گیا۔زینیا نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔

،،آپ کی لاج رکھنی چاہی تھی۔آپ لوگوں نے لاش سمجھ لیا اماں۔اندھیری قبر میں دفنا رہے ہیں آپ۔لیکن میں بھی زینیا ہوں۔ابھی میری ہٹ دھرمی نہیں دیکھی آپ نے۔

‘‘

اماں نے گہری سانس لی۔آزردگی سے اسکا چہرہ دیکھا۔،،عبداللہ آجائے گا زینی۔اسکا انتظار کرو۔،،الفاظ برچھی کی مانند چبھے تھے اسے۔روح اندر سے زخمی ہوئی۔اس فون کال کو صدیاں بیت گئیں تھیں۔لیکن دل تھا کہ آج بھی کٹتا تھا۔

،،عبداللہ نہیں آئے گا اماں۔،،

اسکی آواز دھیمی ہو گئی۔سارا غصہ اکڑ جھاگ بن گئی۔ماؤں کے سامنے بچے اپنا بھرم کہاں رکھ پاتے ہیں۔؟میں نے اسے بلایا ہے اماں۔اس نے مجھے انکار کیا۔آنسو اسکی آنکھوں سے نکل رہے تھے۔دل کو مٹھی میں کوئی دبا رہا تھا۔

،،میں نے اسکی بہت منت کی بلایا۔لیکن وہ بھی میرے جیسا ڈھیٹ ہے۔نہیں آیا۔نہ کوئی وعدہ دیا۔نہ تسلی۔اسے دینی چاہیے تھی ناں۔؟،،اسکے پوچھنے پہ اب اماں کی آنکھیں بھی نیر بہا رہی تھیں۔بیٹیوں کا دکھ ماؤں کو جلدی بوڑھا کر دیتا ہے۔

میری خاطر اسکا مزید انتظار کر لو زینی۔وہ التجا کرنے لگیں۔زینیا اب کے اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں سختی سے رگڑیں۔چہرہ ویسا ہی ہو گیا بے تاثر۔آنکھیں البتہ گلابی تھیں۔گال سرخ ۔

آپ کو کیا لگتا ہے اتنے سال اسکا انتظار اپنے لئے کیا تھا۔؟اپنی ماں کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔؟

،،ساری زندگی آپ کو ابا سے کم نسلی کا طعنہ سنتے دیکھا ہے۔ساری زندگی رنگ کا پھوہڑ پن کا طعنہ سنا آپ نے۔ہر بات آکر شروع جہاں سے بھی ہو۔ختم آپ کے خاندان پہ ہوتی تھی۔عبداللہ بھی آپ کا خاندان ہے اماں۔،،

اماں نے گردن جھکا لی آنسو تواتر سے بہنے لگے۔زینیا کے دل کو دھکا سا لگا۔

،،میں نے اماں۔میں نے بہت کوشش کی عبداللہ آجائے تاکہ آپ کے طعنوں میں ایک کا اضافہ نہ ہو۔،،آخر میں اسکے دل سے ٹیسیں اٹھی تھیں۔

،،وہ نہیں آیا اماں۔اس نے مجھے نہیں آپ کو بھی ڈس اؤن کیا۔ساری زندگی اب آپ ابا کے طعنوں میں ایک مذید طعنے کا اضافہ پائیں گی۔اور یہی دکھ ساری زندگی میرے ساتھ رہے گا۔میں عبداللہ کو مر کر بھی معاف نہیں کروں گی۔،،

اماں نے گیلی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

،، تمھیں کیا لگتا ہے بالاج تمھیں خوشی خوشی قبول کرے گا۔؟یا پھر تمھارے ابا بالاج سے تمہاری شادی کروادیں گے تو تم خوش ہو جاؤ گی۔؟ابا کا پیار مل جائے گا۔؟ایسا کچھ نہیں ہو گا۔تم اپنے باپ سے تب بھی اتنی ہی دور رہو گی جتنی زمین آسمان سے۔عبداللہ کی منگ ہونے کی وجہ سے وہ تمھیں اپنے نہیں میرے خاندان کا حصہ سمجھتے ہیں۔تم کبھی انکی نظروں میں نہیں آؤ گی۔زینی انکے لئے قربانی مت دو۔،،

زینیا نے گلابی ہوتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ان میں آج بغاوت تھی۔

قربانی کون دے رہا ہے اماں؟زینیا کی آواز اسکی اپنی نہیں لگتی تھی۔ساری زندگی آپ کے اور ابا کے لئے قربانیاں دے دے کر تھک گئی ہوں۔گہری سانس لی۔اماں کی آنکھیں اسی پہ ٹکی تھیں۔

،،زندگی میں کبھی نہ کبھی اپنا ریموٹ کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے کر می موڈ لگانا ہوتا ہے۔ میرا وقت آگیا ہے۔عبداللہ بالاج دونوں مرد بھاڑ میں گئے۔زینیا حاکم اب خود کو چنے گی۔ مجھ پہ سب سے زیادہ حق میرا ہے۔،،

اماں چند لمحے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔آج انکی نگاہیں عجیب تھیں۔بے حد عجیب۔یوں جیسے زینی کو پہلی بار دیکھا ہو۔

آج تک تمھارے ابا کو لگتا تھا تم مرے خاندان جیسی ہو۔لیکن آج آکر انکو دیکھنا چاہیے کہ تم انکا سایہ ہو۔انکے جیسی بلکل انکے جیسی۔مضبوط نہیں ڈھیٹ۔ضدی نہیں ہٹ دھرم ۔محبت والی نہیں،انتقامی اور سازشی۔

زینیا نے استہزائیہ سر جھٹکا۔،،اب ساری رات آپ ایک بار پھر سکون سے نہیں سو سکیں گی۔اپنے شوہر کے بارے میں نامناسب الفاظ کیوں کہہ دیئے۔،،

امینہ بیگم نے اب کے اسے ترس کھا کر دیکھا تھا۔کاش وہ اتنی مضبوط ہوتی جتنی نظر آتی تھی

۔

اگلا سارا دن حاکم نواب کے گھر میں بوجھل سناٹا رہا۔کسی نے کسی فرد سے بات نہیں کی۔ہر ایک،ایک دوسرے سے منہ چھپائے گھومتا رہا۔فجر کے بعد کا وقت تھا۔صبح سارے میں پھیلنے کو تیار تھی۔زینیا حاکم اس وقت گھر کی چھت پہ موجود تھی۔سادہ سے سیاہ شلوار قمیض میں اسکا سراپا دمک رہا تھا۔شہد رنگ بال سختی سے باندھ رکھے تھے۔پنجوں کے بل بیٹھی وہ مٹی کے برتنوں میں مختلف دانے ڈال رہی تھی۔کونج اس سے ذرا فاصلے پہ کھڑی تھی

آج تمہاری منگنی ہے جانتی ہو ناں۔؟وہ یاسیت سے پوچھ رہی تھی۔زینیا نے اثبات میں سر ہلایا۔

کیااپناصدقہ دے رہی ہو۔؟یاپھریونہی پرندوں کاخیال آیاہے۔؟اسکااشارہ ان برتنوں کی جانب تھا۔زینیانے اپنی لمبی انگلیوں سے دانہ پھیلادیا۔سراب بھی نہیں اٹھایا۔

،،نہ نیکی کاخیال آیاہے۔نہ اپناصدقہ دے رہی ہوں۔پرندوں کی تصاویر کھینچوں گی۔نیکی کے لئے دنیامیں بہت لوگ ہیں۔کچھ کوکام بھی کرناچاہیے۔،،

تم کیوں اتنی خودغرض ہورہی ہوزینی۔؟نہ تم اماں کاسوچ رہی ہو۔نہ ابا کا۔کل رات بشر سے بھی بدتمیزی کی تم نے۔ہاں ٹھیک ہے اگربشر بزدل نکلالالہ رخ کو نہیں لاسکالیکن..

..

،،بشر بزدل نہیں تھا۔،،زینی نے اسکی بات کاٹی۔بشر نے اسکومحبت کی خاطر چھوڑا۔اگر وہ خود کو چن لیتاتوخودغرض ہوتا۔بشر نے لالہ رخ کو چنا یہ محبت تھی۔زینیانے زینیا کو چنا یہ.....

www.novelsclubb.com

خودغرضی تھی۔کونج نے اسکی بات مکمل کی۔زینیانفی میں سرہلاتے ہوئے اٹھی۔

،،زینیا نے زینیا کو چنا یہ بھی محبت تھی۔اپنی محبت۔نہ بشر غلط ہے نہ میں۔ایک لفظ ہے حالات بس ہمارے درمیان یہی فرق ہے۔میرے حالات میں اپنے آپ کو چننا محبت تھی ۔انسان ہر دفع صرف صحیح یا غلط نہیں ہوتا۔کئی بار وہ،، مختلف،، بھی ہوتا ہے۔،،

کونج نے اسکی باتوں کے جواب میں کوفت سے اسے دیکھا تھا۔

،،مجھے نہیں پتہ زینی۔لیکن آخر تمھیں کیا مسئلہ ہے۔؟ساری ضروریات پوری ہو تو رہی ہیں۔،،

،،مسئلہ یہی ہے کونج کہ بس ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔خواہشوں کا کیا۔؟نیلگوں اندھیرا چھٹ رہا تھا۔ہلکی ہلکی روشنی پھیل رہی تھی۔،،

،،ساری زندگی یہاں نہیں گزارنا چاہتی میں۔مجھے سونا چاہیے، مہنگے جوتے، کپڑے چاہیے ۔مجھے ڈھیر ساری دولت چاہیے۔میں چاہتی ہوں میرا نام ہو۔لوگ مجھے دیکھیں مجھے سنیں۔کیا یہ مانگنا زیادہ ہے۔؟کیا میں کسی سے کچھ چھین رہی ہوں۔میں زینیا ہوں۔مجھے ساری دنیا چاہیے۔،،

کونج اسے تاسف سے دیکھتی رہی۔سیاہ آنکھوں میں تنفر تھا۔

تم لالچی ہوتی جارہی ہو۔پیسہ، شہرت، سونا اسکے علاوہ بھی دنیا ہے۔یہ سب ضروری تو نہیں۔انکے پیچھے جانا لالچ ہے۔زینیا نے گہری سانس لی۔اپنے سامنے کھڑی اپنی بہن کو دیکھا۔

،،کچھ بھی لالچ نہیں ہے کونج۔سب خواہشات ہیں۔ہم سب کو خواہش رکھنے کا حق ہے۔ اللّٰہ نے ہمیں غریب پیدا کیا۔لیکن اس نے یہ نہیں کہا کہ اب تم اس غربت سے مت نکلنا ۔ساری زندگی یونہی سڑو۔اس نے ہاتھ پیر دیے عقل و شعور دیا۔اب یہ ہم پہ ہے کہ ہم اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں۔،،

وہ دو قدم آگے بڑھ آئی۔عین کونج کے سامنے۔

،،خواہشات کبھی بری نہیں ہوتیں۔انکے حصول کے لئے اپنایا جانے والا راستہ اچھا یا برا ہوتا ہے۔،،

www.novelsclubb.com

کونج اب بھی نیم رضامند تھی۔تذبذب سے لب کاٹتے ہوئے وہ چند لمحہ اسے دیکھتی رہی ۔پھر یکدم دماغ میں کچھ کلک ہوا۔

ڈراموں اور فلموں میں تو ہمیشہ یہی دکھایا جاتا ہے۔ جس بھی لڑکی کو پیسے اور امارات کو خواہش ہو۔ وہ ہمیشہ ذلیل ہوتی ہے۔ لالچی اور خود غرض ہوتی ہے۔ آخر میں انکا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ لو جی انکی اپنی دلیلیں تھیں۔ زینیا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

یہی تو المیہ ہے کونج۔ ڈرامے اور فلموں میں پیسے اور امارات کی خواہش رکھنے والی لڑکی کو ہمیشہ برا دکھایا جاتا ہے۔ اور اگر مرد یہ خواہش رکھے۔ تو وہ جسٹیفائیڈ۔

کونج غور سے اسکو بولتے ہوئے سنتی رہی۔

،، پیسہ، دولت، ہیرے جواہرات انکی خواہش بری نہیں ہے۔ لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ حرام کمانے لگ جاؤ۔ اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ کسی مرد کو پھانس لو۔ کسی کے حق پہ ڈاکہ مارو۔ اگر کوئی لڑکی اپنے دم پہ۔ اپنی محنت پہ۔ بغیر کسی امیر مرد کو پھانسے اگر کوئی لڑکی پیسے سے محبت کرتی ہے۔ تو اسے حق ہے۔ اگر اسے اپنے لئے ہیرے جواہرات چاہیے لیکن اسکے لئے وہ کوئی غلط راستہ اختیار نہیں کرتی تو یہ اسکا حق ہے۔،،

اب کے کونج کو اسکی باتیں سمجھ آنے لگی تھیں۔ تاثرات نارمل ہونے لگے۔

کیا تم بالاج کے ساتھ خوش رہ سکو گی۔؟ تمھیں نہیں لگتا تم دونوں مس میچ ہو۔؟ زینیا نے سرد سانس باہر خارج کی۔اور واپس اپنے برتنوں تک آئی۔

،،میں ماضی کو یہیں دفن کر کے جا رہی ہوں۔ہمیشہ کے لئے۔میں اپنی پوری کوشش کروں گی بالاج میرے ساتھ اور میں اسکے ساتھ خوش رہوں۔عبداللہ کے بعد مجھے شادی نہیں کرنی سمجھوتہ کرنا ہے۔اسکے لئے بالاج سے بہتر کون ہو گا۔؟،،

اس نے دونوں برتن اٹھا کر دیوار پہ رکھے۔

تم اس سے شادی کیوں کر رہی ہو۔؟ کوئی ایک وجہ۔؟

،،میرا کیریئر سیٹ ہو جائے گا۔وہ مجھے یہاں سے نکال لے جائے گا۔وہ اس خاندان کا سب سے مختلف مرد ہے۔کنویں کا مینڈک نہیں بننا چاہتا۔اسے اپنے کنویں سے باہر آنا ہے۔ میں لا سکتی ہوں۔مجھے اونچائیوں پہ جانا ہے۔وہ میری سیڑھی بنے گا۔،،

اسی لمحے زینیا کو اپنے عقب سے ایک بھاری مردانہ آواز آئی۔وہ ٹھٹھکی تھی۔

،،مجھے نہیں پتہ شادی کیوں کی جاتی ہے۔لیکن اتنا جانتا ہوں کہ محبت،امارات یا پھر کسی بھی قسم کے ذاتی مفاد کی خاطر نہیں کی جاتیں۔،،بشر سنجیدہ تھا۔

زینیا نے دیوار سے ٹیک لگالی۔ سورج کی ہلکی روشنی اسکے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

سمجھوتے؟ وہ تو ذاتی مفاد کی بنا پہ کر سکتے ہیں ناں۔؟

سمجھوتے زیادہ دیر نہیں چلتے۔اس نے وارن کیا۔

میں زینیا ہوں۔ڈھیٹ ہوں۔ چلالوں گی۔ بات ہوا میں اڑادی گئی۔ بشر نے گہری سانس لی۔اپنی دونوں بہنوں کو دیکھا۔

اگر تم دونوں اس شادی کی خوشی بھرے غم سے نکل آؤ تو نیچے آجانا۔نان چنے لایا ہوں۔ اسکی بات پہ کونج کی بھوک چمک اٹھی۔ کونسی بہن کونسی شادی۔وہ فورا نیچے کی طرف بھاگی تھی۔زینیا ویسے ہی کھڑی رہی۔ بشر نے اسے دیکھا۔وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

،، چھوٹی چھوٹی چیزوں پہ خوش ہونا سیکھو زینی۔ ورنہ اندر سے خوشی کے جراثیم ختم ہو جائیں گے۔،،

www.novelsclubb.com

زینیا ہلکا سا مسکرائی تھی۔اگر تم چاہتے ہو میں نان چنے دیکھ کر منہ سے رال ٹپکاؤں گی تو ایسا نہیں ہو گا۔خوشی ایک جذبہ ہے۔اور میرے جذبات اتنے قیمتی ہیں کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پہ ضائع نہیں کر سکتی۔ کندھے اچکائے نپا تلا جواب دیا۔اور آگے بڑھ گئی۔

چند لمحہ وہ اسے ہی دیکھتی رہا۔ابھی وہ سیڑھیاں اتر جاتی جب بشر نے پکارا۔

تمھیں خود پہ بہت غرور ہے ناں۔؟ایسی عقل ایسا دماغ۔ایسا شعور۔؟

ہونا بھی چاہیے۔مجھ پہ یہ غرور سوٹ کرتا ہے۔وہ کہہ کر نہیں رکی آگے بڑھ گئی۔بشر گہری سوچوں میں گم ہو گیا۔کچھ تھا جو غلط تھا۔

یہ گزر چکی رات کا ذکر ہے۔گوادر پی سی ہوٹل کے سوئمنگ پول کی طرف پیٹھ کئے مہدی کمبیرا اپنے کیمرے میں ویڈیو ریکارڈ کر رہا تھا۔اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔چہرہ بے تاثر۔بھوری بیگی شرٹ کے ساتھ نیلا سلیکس پہنے وہ کیمرے میں دیکھ کر بات کر رہا تھا۔

،، acceptance قبولیت،،

www.novelsclubb.com

ہر حادثے کے بعد ہمیں یہی لفظ سننے کو ملتا ہے۔ کبھی جاننے کی کوشش کی اس لفظ کے معنی کیا ہیں۔ یا پھر یہ لفظ کتنا گہرا ہے۔؟ ہم سب کو لگتا ہے۔ایک دن جب ہم پہ قبولیت کا وقت آئے گا تو ہم بلکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہمارے سارے دکھ درد دور ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ نہیں ہے۔ قبولیت آپ کو خوش نہیں کرتی، آپ کے غم معدوم نہیں کرتی۔ قبولیت بس آپ کی ذات میں ایک ٹھہراو لاتی ہے۔آپ کا دماغ پر سکون کر دیتی ہے۔ آپ کے دل کو سوچنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ قبولیت آپ سے درست فیصلہ کرواتی ہے۔

سنگھار میز کے سامنے زینیا بیٹھی تھی۔گلابی رنگ کے کامدار جوڑے میں ملبوس۔اسکے شہد رنگ بال کھلے تھے۔اتنے خوبصورت بال تم نے شاید کبھی دیکھے ہوں۔وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنے چہرے پہ میک اپ مل رہی تھی۔ہونٹوں پہ گہری سرخ لپسٹک لگاتے ہوئے وہ بلاخر مسکرا آئی تھی۔گلے میں ہس (ایک روایتی زیور جو کہ ہاتھ میں پہنے جانے والے کڑے جیسا ہوتا ہے۔ لیکن اسکے عین بیچ میں ایک گول یا چوکور سونے ہی کی

ڈبیاسی بنی ہوتی ہے۔ کئی بلوچ عورتوں کے لئے ہس انکی گردن کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔)

کانوں میں جھمکے ڈالے۔ایک لڑکی نے آگے بڑھ کر اسکے ہاتھوں میں چوڑیاں ڈالنی چاہیں لیکن زینیانے اسے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

چوڑیاں میرے ہاتھوں کو قید کر دیتی ہیں۔وہ ہولے سے بڑبڑائی۔لڑکی اب اسکے بال گوندھنے لگی تھی۔آئینے میں اسکا عکس نظر آرہا تھا۔گلابی جوڑا۔ہلکا میک اپ۔سرخ لپسٹک۔بالوں کی گندھی ہوئی چٹیا۔اور سر پہ رکھا کامدار دوپٹہ۔جس سے اب اسکا گھونگھٹ بنایا جارہا تھا۔

وہ کمر اور گردن سیدھی کیے بیٹھی رہی۔دل پہ ایک سو ایک قیامت آکر گزر گئیں تھی۔ لیکن وہ تو قبول کر چکی تھی ناں۔؟)

پول کے پانی پہ مصنوعی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا۔وہی روشنی منعکس ہو کر مہدی کے چہرے پہ پڑ رہی تھیں۔کیمرے کو دیکھتا وہ سنجیدہ تھا۔

قبولیت ہمیشہ خوشیوں کی ضمانت ساتھ نہیں لاتی۔ قبولیت کبھی زبردستی اپنی زندگی میں داخل نہیں کی جاسکتی۔ اگر آپ اپنے دوستوں، بہن بھائیوں کی نصیحتوں سے تھک کر خود کو زبردستی یہ باور کروانا چاہتے ہیں۔ کہ آپ اب قبولیت کے مرحلے میں ہیں۔ تو یہ کام نہیں کرے گا۔ ہر گز نہیں کرے گا۔ قبولیت آپ کا دل دماغ کا فیصلہ ہے۔ یہ آپ کے اعصاب کا فیصلہ ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب آپ کے اعصاب آپ سے کہہ دیتے ہیں۔ اب تیار ہیں۔ ہاں اب ہم تیار ہیں۔ ماضی کے ٹراما کو سہنے کے لئے۔ وہ آئے اور گزر چکے۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔

وہ سنجیدگی سے کہتا جارہا تھا۔

،،اب ہم تیار ہیں حال کے رنج قبول کرنے کو۔ کیونکہ مستقبل سنوارنا ہمارے اختیار میں ہے۔ دوستوں کے مشورے سنیں۔ لیکن دل کی آواز بھی سنیں۔ بہن بھائی کی ہمت دلانے پہ اٹھ کھڑے ہوں۔ لیکن اپنے زخمی پیروں کا بھی سوچیں۔ آپ کے دل کا پتہ بس آپ جانتے ہیں۔ اس پہ بیتی قیامت سے آپ واقف ہیں۔،، وہ ایک پل کو رکا لمبی گہری سانس لی۔

اگر ایک لنگڑے آدمی سے بے ساکھی چھین کر اسے زبردستی اپنے قدموں پہ کھڑا کیا جائے گا۔ تو شاید وہ چند قدم چل سکے۔ لیکن پھر اگلے چند قدم کے بعد وہ بری طرح گرے گا۔ اور یہاں چوٹ صرف اسے نہیں آئے گی۔ اسکی روح کو بھی آئے گی۔ اپنے پیروں پہ کھڑے ہونا اچھا ہے۔ لیکن علاج اور وقت لینا بھی اچھا ہے۔ قبولیت وقت لیتی ہے۔ اسے تھوپا نہیں جا سکتا۔ اسے خود پہ مسلط مت کریں۔

فجر کا وقت تھا۔ آسمان اب بھی سیاہ تھا۔ پو پھوٹنے میں ابھی وقت تھا۔ دو مردوں کے ہیولے اس پہر مسجد کی اور جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ دفتعا گلی کے نکڑ کے قریب ایک مرد ٹھہر گیا تھا۔ صاف رنگت اور سیاہ آنکھوں والا بشر حاکم۔ اسکے ساتھ چلتا بالاج میر بھی رکا تھا۔

،،بشر دیکھو میں تمہاری بات نہیں مان سکتا۔ بالاج کہتے ہوئے آگے آیا۔ آج منگنی ہے۔ اور آج ہی تم مرے پاس شرط لے کر آئے ہو۔ میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ میں اپنی عورت کو نوکری کرنے دوں۔ میں اتنا بے غیرت نہیں ہوا جو اسے مردوں کے بیچ اٹھنے بیٹھنے دوں۔،،

اسکی رنگت سرخ ہوتی جارہی تھی۔بشر نے سکون سے اسے دیکھا۔ منگنی آج شام میں ہے ۔میری بہن کی ایک ٹوٹ چکی ہے۔دوسری میں توڑوں گا۔ لیکن تمہاری بہن اسکا کیا ۔؟لوگ جب آآکر اس سے پوچھیں گے۔خاندان کے سب سے شاندار مرد نے تمھیں کیوں چھوڑا تو وہ کیا کہے گی۔؟سوچو بالاج۔اپنی بہن کا سوچو۔

تم مجھے دھمکی دے رہے ہو بشر۔؟

میں حقیقت بتارہا ہوں۔میں وہی ہوں۔ جس نے اپنے ابا کی خاطر اپنے دادا کی کروڑوں کی جائیداد کو ٹھوکر ماری ہے۔ تمھیں کیا لگتا ہے۔میں اپنے خاندان پہ ایک غیر لڑکی کو فوقیت دوں گا۔؟

بالاج نے بے چینی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سمجھ نہیں آتا تھا کیا کرے۔اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور تحمل سے کہنا شروع کیا۔دیکھو بشر۔جو تم کہہ رہے ہو۔وہ میں نہیں کر سکتا۔ لیکن میں تمہاری بہن کو ساری خوشی دوں گا۔تم...

میری بہن کی خوشی میری شرط قبول کر لینے میں ہے۔ابھی کے ابھی مرے ابا کو فون کرو مسئلہ نہیں۔ورنہ یہ رشتہ ابھی کے ابھی ختم سمجھو ۔اور کہو تمھیں زینیا کی پڑھائی سے کوئی

۔وہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔ بالاج چند لمحہ بے بسی بھرے غصے سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ جی میں آیا تھا۔ کہ ابھی اور اسی وقت اسے شوٹ کر دے۔ لیکن دل کی باتیں سب کہاں مانی جاتی ہیں۔

قبول ہے۔ بالاج کی آواز شکستہ تھی۔ لہجہ ہارا ہوا۔ یہ ایک زبردستی کی قبولیت تھی۔)

کیمرے کے سامنے بیٹھا مرد۔ سبز آنکھوں میں ڈھیر سارا علم لئے ہوئے تھا۔ رک رک کر بولتا۔ وہ ساری دنیا کو اپنی بات کا باور کروا رہا تھا۔

،، ہم نے قبولیت کو بس ماضی کے غم اور حال کے زخموں سے جوڑا ہوا ہے۔ لیکن اصل میں قبولیت ہمارا حال بھی ہے۔ وہ ٹھہرا۔ الفاظ متجمع کئے۔

ہمارے ساتھ ماضی میں جو کچھ بھی ہوا۔ برے دوست ملے۔ تعلق ٹوٹے۔ دھوکہ ہوا۔ کاروبار ڈوبا۔ ہم فیل ہوئے۔ اکیڈمک ریکارڈ برا رہا۔ ہم اسکو سروائیو کر کے آگے نکل آئے ۔اس وقت شاید ہم اچھے مقام پہ ہیں۔ دوست ہیں۔ اچھا پارٹنر ہے۔ بزنس پھر سے چل پڑا ہے۔ دل جڑ گیا۔ لیکن ہم اب بھی ماضی میں ہیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا۔؟ سمجھاتا ہوں۔ وہ آگے کو ہو کر بیٹھا۔

ہم آج بھی مکمل اعتبار نہیں کرتے۔ہم آج بھی خوف زدہ ہیں۔نئے تعلقات سے۔نئے لوگوں کو قبول کرنے سے۔نئے دوستوں کو خوش آمدید کہنے سے۔ہم اب تک قبولیت کے مرحلے میں نہیں آئے۔خوشیاں قبول کرنے کا مرحلہ۔اعتبار کرنے کا مرحلہ۔زندگی میں آپ کو ہمیشہ سب کچھ برا نہیں ملے گا۔یہ قبول کریں۔زندگی آپ کے ساتھ ہمیشہ نہ انصاف نہیں رہے گی قبول کریں۔

آپ کی زندگی میں آنے والا ہر دوست برا نہیں ہو گا۔یاد رکھیں۔زندگی آپ کے ساتھ اتنی بے رحم نہیں ہوتی جتنے آپ خود ہوتے ہیں۔،،

پی سی ہوٹل گوادر کے ایک سویٹ میں اپنے بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا قیس رنجیدہ تھا۔موبائل پہ اپنے خاندان کی تصاویر دیکھتے ہوئے اسکے چہرے پہ ایک غمگیں مسکراہٹ تھی

۔

www.novelsclubb.com

اسکا موبائل ہر دوسرے منٹ تھرتھرا رہا تھا۔ایک نیا پیغام ایک نئی مبارک باد۔آج اسکی سالگرہ تھی۔وہ اپنے دوستوں سے فرار حاصل کر کے یہاں آیا تھا۔اسے جس شخص کی مبارک چاہیے تھی۔اسکا عظیم باپ۔وہ مر چکا تھا۔اب وہاں سے کوئی پیغام نہیں آنا تھا۔

اسے ایک دوسرے شخص کی مبارک باد بھی چاہیے تھی۔اسکی واحد دوست۔اس سے تو کئی برس ہوئے کوئی رابطہ نہیں تھا۔دوستوں سے رابطہ ٹوٹ جانا دل توڑ دیتا ہے۔ قیس کا دل بھی ٹوٹا تھا۔اتنے برے طریقے سے ٹوٹا تھا کہ اسے کرچیاں سمیٹنے میں وقت لگنا تھا۔

انسٹا گرام کے بجتے ڈی ایمز،واٹس ایپ کے شور مچاتے پیغامات،دوستوں کی ہر دو منٹ بعد کی جانے والی کال،ور کرز اور کولیگز کے میسجز۔کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔کچھ دل کو بھا نہیں رہا تھا۔

اپنے موبائل کی سکرین پہ انگلیاں پھیرتے ہوئے اسکی سیاہ آنکھیں افسردہ تھیں۔اس نے آنکھیں بند کر لیں موبائل دور اٹھا کر پھینکا۔

نہ یہ دوست چاہیے تھے۔نہ یہ تعلقات۔نہ یہ محفلیں چاہیے تھیں۔نہ قہقہے۔نہ خوشیاں۔ قیس کا ان سب پہ کوئی حق نہیں۔وہ خود کو باور کروا رہا تھا۔اسکا دوست چھوٹا تھا۔اور اس نے خود پہ نئی دوستیاں حرام کر لی تھیں۔اسکا خاندان مرا تھا۔اس نے باقی آدھے کو بھی مرا ہوا سمجھ لیا تھا۔

زندگی اوُ زندگی۔کاش میں تمھیں ختم کر پاتا۔وہ بس بڑبڑایا تھا۔!)

،، قبولیت صرف خوشی یا غم کی نہیں ہوتی۔ قبولیت آپ کی اپنی ذات کی بھی ہوتی ہے۔ اپنے رنگ، چہرے، قد، سب کو قبول کرنا ہوتا ہے۔ یہ آپ کے ذہنی سکون کے لئے ضروری ہے۔ خود کو گروم کرنا اچھی بات ہوتی ہے۔ ہر دور میں اچھی بات ہے۔ لیکن آپ کا رنگ یہ بدل نہیں سکتا۔ چاہے آپ جتنے مرضی پراڈکٹس استعمال کر لیں۔ آپ کا قد یہی رہے گا۔ آپ کی جسامت پہ آپ کام کر سکتے ہیں۔ لوگوں کے لئے نہیں۔ اپنے لئے۔ کسی بہن بھائی، کسی ماں باپ، کسی دوست کزن کو بھری محفل میں آپ کے رنگ، قد ،وزن کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

وہ ایک پل کو رکا۔ سنجیدہ ہوا۔ معلم ہوا۔ پھر کہنا جاری رکھا۔

اپنے آپ کو قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے اب خود پہ دھیان نہیں دینا۔ گرومنگ کا مطلب ہوتا ہے خود کو نکھارنا۔

یہ نہیں کہ اپنے اندر کی خامیوں پہ ڈٹ جانا۔ سانولا رنگ برا نہیں ہے۔ لیکن اپنا رنگ سانولا سمجھ کر اپنی ذات پہ دھیان نہ دینا برا ہے۔ بھاری وزن برا نہیں ہے۔ لوگوں کو محفل میں اپنی کھلی اڑانے کی اجازت دینا برا ہے۔

کزنز کے جھرمٹ میں بیٹھی سانولے چہرے والی کونج اپنے سامنے فاؤنڈیشن کی ڈبیا کھولے بیٹھی تھی۔اسکا چہرہ خشک رہا کرتا تھا۔یوں وہ جب بھی میک اپ لگایا کرتی تو چند گھنٹے بعد ہی خشکی کے ٹکرے کی مانند اسکے چہرے سے جگہ جگہ سے میک اپ اتر جایا کرتا تھا۔اسے میک اپ کا شوق تھا۔لیکن وہ اپنی بے عزتی ہونے سے بھی ڈرتی تھی۔

،،کونج تمہاری اسکن ٹون ایسی ہے کہ میک اپ جذب نہیں کر پاتی۔اسکے پاس بیٹھی اسکی ایک کزن کہہ رہی تھی۔تم میک اپ مت کیا کرو۔یا پھر بہت زیادہ گہرا کیا کرو۔تاکہ تمہارا چہرے پہ میک اپ کی تہہ گہری ہو جائے۔،،

اسکی بات پہ کونج کو بے اختیار سسکی محسوس ہوئی تھی۔کمرے میں بیٹھی سب کزنز کی نگاہوں کا مرکز وہی تھی۔

،،زیادہ گہری تہہ عجیب لگتی ہے۔ایسا لگتا ہے جیسے یہ میرا چہرہ ہے ہی نہیں۔اسکے گلے سے چند الفاظ نکلے تھے۔نظریں بے اختیار جھک گئیں۔،،

زرینہ آگے کو ہو بیٹھی۔کونج کے ہاتھ سے فاؤنڈیشن کی ڈبیا اور برش لے لیا۔

،،ادھر دو میں تمھیں بتاتی ہوں۔میک اپ ہوتا کیا ہے۔جیسی تمہاری اسکن ہے ناں اس پہ یہ تمہارا ہلکا میک اپ سوٹ نہیں کرے گا۔بھر بھر کے لگاؤ تب گوری لگو گی۔اور اچھی بھی۔،،

کونج پھیکا سا مسکرائی۔اس نے قبول کر لیا کہ وہ گوری لگے بغیر اچھی نہیں لگ سکتی۔)

پانی کا عکس مہدی کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔نیلی نیلی لہریں اسکے چہرے پہ سایہ کر رہی تھیں۔ اسکے سامنے رکھی میز پہ اب ویٹر سلش رکھ گیا تھا۔لیکن مہدی کے پاس اس وقت سلش پینے سے زیادہ بڑے مسائل تھے۔

قبولیت ہمیشہ وقت لیتی ہے۔اگر آپ کو لگتا ہے کل آپ کے ساتھ حادثہ ہوا اور آج آپ ٹھیک ہو گئے تو ایسا نہیں ہو گا۔آپ اب سوچیں گے کچھ انسان تو مضبوط ہوتے ہیں۔ جلدی ری کور کر جاتے ہیں۔مہدی نے نفی میں سر ہلایا۔

مضبوط سے مضبوط انسان کے پاس بھی دل ایک ہی ہوتا ہے۔درد اسے بھی ہوتا ہے۔زخم اسکے بھی ہوتے ہیں۔مضبوط انسان بھی ایک ،،انسان،، ہوتا ہے۔اور انسانوں کے غم جلدی کہاں ختم ہوتے ہیں۔؟

حاکم نواب کے گھر میں ایک اؤدھم مچا تھا۔پیلے سونے میں لدی عورتیں یہاں سے وہاں آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔زینیا حاکم کے چہرے پہ گھونگھٹ ڈال کر اسے کمرے کے ایک کونے میں بٹھایا گیا تھا۔یہاں منگنیاں ایسے ہی ہوا کرتی ہیں۔دلہن کو کمرے کے ایک کونے میں بٹھادیا جاتا ہے۔اور دولہے کی ماں یا گھر کی بڑی عورت سرخ دوپٹہ اسکے سر پہ ڈالتی ہے۔پلو میں چند نوٹ باندھ دیتی ہے۔اور ہاتھ میں پیلی سونے کی انگوٹھی۔یہ تو جدید دور تھا جس میں چند گنے چنے خاندان منگنی کی رسم ادا کرتے تھے۔ورنہ کئی خاندانوں میں تو اب بھی بس مردوں کے درمیان بات طے ہو جایا کرتی،اور گھر کی کوئی بڑی بوڑھی لڑکی کر سر پہ سرخ چادر ڈال آتی تھی۔

زینیا کو اپنے قریب عورتوں کے قہقہے لگانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ڈھول کی تھاپ کانوں کے قریب آتی محسوس ہو رہی تھی۔دلہے کی بہنیں اور ماں آچکی تھی۔

www.novelsclubb.com

اور زینیا حاکم نے اپنے دل کو بند ہوتا محسوس کیا۔کچھ تھا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔بے اختیاری سے کیفیت میں اسکا ہاتھ اسکے دل کے مقام پہ گیا۔سارے کے سارے جسم پہ لرزا طاری ہوا۔

ایک لمحے کے لئے زینیا نے اپنے دل کو بند ہوتا محسوس کیا۔)

اگر آپ کو لگتا ہے آپ غم کو پراسیس کئے بغیر اس سے نکل آئیں گے۔ تو آپ غلط ہیں۔ اگر آپ کو لگتا ہے روئے بغیر۔ چند دن مایوس، پریشان اور افسردہ ہوئے بغیر آپ خوش ہو جائیں گے تو آپ غلط ہیں۔ اس طرح سے آپ صرف اور صرف مسئلے سے بھاگ سکتے ہیں ۔زخم کو اگنور کر سکتے ہیں۔ کیا کبھی زخم اگنور ہونے سے ٹھیک ہوئے ہیں۔؟ ایسے زخم ناسور بن جاتے ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً ان میں ایسی ٹیسیں اٹھتی ہیں کہ آپ کی روح تک کانپ جاتی ہے۔

(وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ دولہا کے گھر کی عورتیں صحن میں تھیں۔ شادی کے گیت گانے کی آواز یہاں تک آتی تھی۔ بس کچھ دیر اور ایک سرخ دوپٹہ، پیلی انگوٹھی ۔اور پھر وہ ساری زندگی کے لئے عبداللہ کا نام نہیں لے سکتی۔

کوئی اس سے اسکا کمفرٹ چھین رہا تھا۔ کاش اسکے بس میں ہوتا کہ کچھ کر پاتی۔ اپنی جگہ پہ کھڑی وہ عجیب وحشت بھری نظروں سے اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔ یہ سب کچھ غلط تھا۔ یہ اسکی مرضی نہیں تھی۔ کئی لڑکیاں اسکے آس پاس بیٹھی حیرت سے اسے دیکھ

رہی تھیں۔وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گئی۔بے اختیار کئی لڑکیوں نے باقاعدہ منہ پہ ہاتھ رکھ لئے تھے۔یہاں دلہن کا یوں گھومنا پھرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

باہر نکل کر عورتوں سے بھرے صحن میں کسی کو دیکھے بغیر وہ بیٹھک کی جانب بڑھ رہی تھی۔چہرہ ڈھک رکھا تھا۔رش اتنا تھا کہ کسی نے اس پہ غور نہیں کیا۔بیٹھک میں آکر اس نے فوراسے پہلے دروازہ بند کیا۔باہر کا شور ذرا سا تھم گیا۔

وہ اسٹول پہ رکھے ٹیلی فون کی جانب بڑھ رہی تھی۔سانس قبض ہو رہی تھی۔دل جل رہا تھا۔بشر کو ٹھیک لگتا تھا۔وہ قبولیت کے مرحلے میں نہیں آئی تھی۔کونج کو غلط لگتا تھا۔ اسکی بہن مضبوط نہیں ڈھیٹ تھی۔)

قبولیت سب سے پہلے آپ کے دل پہ اترتی ہے۔اسے پر سکون کرتی ہے۔اور زبردستی کی قبولیت بھی سیدھی آپ کے دل پہ اترتی ہے۔یہ آپ کے دل کو اتنا برا توڑتی ہے کہ پھر وہ جڑ نہیں پاتا۔

(اس نے ریل گھمائی۔عبداللہ کو کال جا رہی تھی۔بے چینی سے اسکا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ ہاتھ لرز رہے تھے۔دل اتنی بری طرح جل رہا تھا کہ حد نہیں۔عبداللہ اسکا کمفرٹ تھا۔ یہ سارے لوگ اسے ان کمفرٹیبل کر رہے تھے۔

سانس رک رک کر آ رہا تھا۔نہیں کیا اس نے قبول نہ ہی کرنا چاہتی تھی۔کال مل گئی تھی۔ ایئرپورٹ پہ کھڑا کندھے پہ بیگ ڈالے ہوئے مہدی کا موبائل بجا تھا۔اس نے نمبر آنکھوں کے آگے کیا۔

ایک لمحے کے لئے اسکے آگے ساری دنیا رک گئی۔مہدی کمبیر ایک پل کے لئے سانس نہیں لے سکا۔)

قبولیت کے ساتھ ضد نہیں لگاتے۔قبولیت کے ساتھ ڈھیٹ نہیں بنتے۔اسے وقت دیتے ہیں اپنا وقت لیتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

یہ میں نے کیا کر دیا۔اوہ خدایا یہ کیا ہو گیا۔وہ لرزتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ زبان بڑبڑا رہی تھی۔دل میں زخم پڑ رہے تھے۔بلاخر کال اٹینڈ ہو گئی تھی۔زینیا کے لئے ساری دنیا کی گردش رک گئی۔

قبولیت رفتہ رفتہ آپ کو ہیل کرتی ہے۔ قبولیت آپ کے زخم بھرتی ہے۔آپ کے دل کو تندرستی دیتی ہے۔ لیکن اگر آپ نے اسکے ساتھ ضد لگالی۔تب ہو گا صرف یہ کہ آپ کا نقصان۔ صرف اور صرف آپ کا نقصان۔

عبداللہ پلیز آجاؤ۔وہ بھل بھل بہتے آنسوؤں کے درمیان کہہ رہی تھی۔آواز بامشکل نکل رہی تھی۔بس ہچکیاں تھیں جو ابھر رہی تھیں۔ضبط، ضد ٹوٹ چکا تھا۔وہ مضبوط ہوتی تو کھڑی رہتی۔وہ ڈھیٹ تھی۔تب ہی ٹوٹ رہی تھی۔

کیونکہ جن زخموں کو وقت نہیں دیا جاتا۔وہ ناسور بن جاتے ہیں۔اور ناسور میں جو درد اٹھتا ہے وہ آپ کا دل چیر بھی سکتا ہے۔آپ کی کھڑی ہوئی ٹانگیں لڑکھڑا بھی سکتا ہے۔

میں نے غلط فیصلہ کیا عبداللہ۔تم میرا کمفرٹ ہو۔باقی ساری دنیا مجھے غیر آرام دہ کرتی ہے ۔تمھارے ساتھ یوزڈ ٹو ہو گئی ہوں۔کوئی اور میرے لئے کبھی عبداللہ نہیں بن سکتا۔پلیز آجاؤ۔کوئی وعدہ۔کوئی پیغام بھیجو۔میں نے تیئیس سال تمہارا انتظار کیا ہے اگلے تیئس سال بھی کروں گی۔تم کہو عبداللہ ن صرف ایک بار مجھ سے کچھ کہو۔

تم میرے لئے آؤ عبداللہ۔ میں اس قابل ہو کہ میرے لئے آیا جائے۔ آجاؤ عبداللہ۔ پلیز آجاؤ۔

آنسو، جلتا دل، قبض ہوتی سانسیں اور شل ہوتا دل۔ ان سب کے درمیان وہ اسے پکار رہی تھی۔

میں تمھارے شہر آیا تھا۔ تمھارے لئے۔ تمہاری پکار پہ۔ میں نے کبھی تمھیں ڈس اون نہیں کیا۔ تم میری ہو۔ ہمیشہ میری رہو گی۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر کہہ رہا تھا۔ وہ اس آواز کو دوبارہ سننے کے لئے ساری زندگی انتظار کر سکتی تھی۔

میں تمھیں کوئی وعدہ کوئی پیغام دیئے بغیر جا رہا ہوں۔ کیونکہ تم سے جو تعلق ہے۔ اس میں محبت کی جگہ نفرت ہے۔ مرے الفاظ تمھیں زندگی دیں گے۔ لیکن میں چاہتا ہوں تم مرو۔

www.novelsclubb.com

،،عبداللہ تمھارے لئے کبھی نہیں آئے گا۔،،

فون بند ہو گیا تھا۔زینیا کا دل اسکے ساتھ بند ہوا تھا۔اسے لگا تھا اب وہ کبھی سانس نہیں لے سکی گی۔ٹانگوں کی سکت ختم ہوئی،دل کا درد اتنا بڑھا کہ زینیا حاکم نے اپنے دل کو سن ہوتا محسوس کیا۔!)

اس نے آہستگی سے فون کریڈل پہ رکھا۔بہتی آنکھیں صاف کیں۔دیوار کے ساتھ لگتی وہ دھیرے دھیرے سے نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔اسکا دل ٹوٹا تھا۔اور زینیا حاکم کو لگا تھا اب وہ ساری زندگی اسے جوڑ نہیں پائے گی۔اسکے پاس اب جانے کو کوئی راہ نہیں بچی تھی۔ بلانے کو کوئی شخص نہیں بچا تھا۔وہ ایک بھر بھری دیوار کی مانند ڈھے گئی تھی۔

www.novelsclubb.com

رات کتنے پہر بیتی کتنی باقی رہی۔کچھ پتہ نہیں تھا۔مہمان جا چکے تو گوادر سونا سونا ہو گیا۔ کالی سیاہ رات میں چند ستارے اپنے کندھوں پہ سارا بوجھ لادے روشنی کا ٹھیکا لئے ہوئے

تھے۔چاند آج شرمایا شرمایا سا تھا۔بادلوں کی اوٹ میں کسی نو بیاہتا دلہن کی طرح۔گھر کے پچھلے صحن میں اس وقت خاموشی تھی۔

کسی پڑوسی گھر سے ذرہ ذرہ سی روشنی صحن میں دو اذنو بیٹھی زینیا کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ اسکے سامنے وہی سیاہ کتا ایک بار پھر بیٹھا تھا۔چھوٹے چھوٹے روٹی کے ٹکڑے کتے کے آگے پڑے تھے۔لیکن وہ کھا نہیں رہا تھا۔اداس آنکھوں سے زینیا کو بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

زینیا نے ابھی بھی وہی گلابی جوڑا پہن رکھا تھا۔بس ہاتھ کی انگلی میں ایک پیلی انگوٹھی کا اضافہ تھا۔کبھی وہ اس انگوٹھی کو دیکھتی تھی۔اور کبھی اپنے سامنے بیٹھے سیاہ کتے کو۔

،،ایک شخص تھا۔جس نے بس اپنا نام دیا تھا۔کوئی زرد سونا نہیں۔کوئی چمک دار ہیرا نہیں ۔وہ شخص دل کا قرار تھا۔اور ایک یہ شخص تھا۔جس نے سرخ چادر دی۔سونا دیا۔چار لوگوں کے درمیان نام دیا۔لیکن یہی وہ شخص تھا۔جس کے ساتھ بے چینی ہوتی تھی۔،،

یہاں سے میلوں دور اسلام آباد میں واقع کمبیر محل کے لان میں ایک سبز آنکھوں والا مرد کرسی پہ بیٹھا تھا۔اسکے ہاتھ میں چائے کا بھاپ اڑاتا مگ تھا۔اسی ہاتھ کی کلائی میں ایک برانڈڈ گھڑی۔

نظریں کسی غیر مرئی نکتے پہ جمی تھیں۔دفعتاً اسکی نظر میز پہ رکھے اپنے موبائل پہ پڑی۔ بحری جہاز والا سفر ایک جھماکے سے آنکھوں کے سامنے آیا۔وہ چٹانوں جیسی سخت لڑکی یاد آئی۔اسکے لفظ اسکی باتیں یاد آئیں۔یقیناوہ ایسے لوگوں میں سے تھی۔جنہیں آپ فورا اپنے دماغ سے نہیں نکال سکتے۔وہ دل پہ اپنا اثر چھوڑ جاتی تھی۔

مہدی چند لمحے یونہی بیٹھا رہا۔اور پھر موبائل اٹھالیا۔نہ جانے کیوں کس خیال کے تحت اسکی انگلیاں،، عجیب لڑکی،، کا نمبر ڈائل کر رہی تھیں۔یہ ایک غیر مہذب حرکت تھی۔ لیکن وہ جاننا چاہتا تھا۔اس لڑکی کی اکیڈمی کے بارے میں کیا طے ہوا۔

بیل جا رہی تھی۔لیکن پہلی گھنٹی بھی ابھی پوری نہیں بجی ہو گی۔جب مہدی نے کال کاٹ دی۔اسے یاد آیا کہ اس وقت ایک چھوٹے علاقے کی لڑکی کو کال کرنا کس قدر غیر مہذب حرکت ہو سکتی ہے۔اب کے اسکی انگلیاں کوئی پیغام ٹائپ کر رہی تھیں۔

یہاں سے دور کئی میل دور زینیا حاکم کا موبائل کسی پیغام کی نوید کے ساتھ تھرتھرایا۔وہ جو کتے کے سامنے دوازنو بیٹھی تھی۔ایک گہری سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔پاس رکھی چارپائی سے اپنے موبائل اٹھا کر پیغام کھولا۔

کیا تمہاری افروزہ سے بات ہو گئی۔؟

مہدی

انگریزی میں لکھا پیغام۔زینیا نے مشینی انداز میں واپس لکھ کر بھیجا۔

ہو گئی۔

کیا کہا انہوں نے۔؟ فوراً پوچھا گیا۔

،،کوئی زینیا کو ناں نہیں کہتا۔میرے نام ایک اور کامیابی۔،،

مہدی کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی۔وہ تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔

،،کیوں۔؟ کوئی تمھیں ناں کیوں نہیں کہہ سکتا۔؟ کیا تم کسی اور سیارے سے آئی ہو ۔؟،،!

www.novelsclubb.com

پیغام آیا سکرین روشن ہوئی۔لیکن مسکراہٹ اؤ نہوں اسکا بھلا یہاں کیا کام۔

،،میں اسی سیارے کا سب سے rare اور قیمتی اثاثہ ہوں۔،،

اتنا غرور کس بات کا۔؟ مہدی نے ایک بار پھر لکھا۔

مجھے لگتا ہے آپ خود شناسی ٹائپ کرنا چاہتے تھے۔اٹس اوکے۔میں سمجھ گئی۔شکریہ۔

کھڑے کھڑے یونہی جواب دیتی وہ روبوٹ لگ رہی تھی۔دوسری جانب مہدی زور سے ہنستا چلا گیا۔

،،میں سوچ رہا تھا۔اس وقت کال نہ کروں برا لگتا ہے۔لیکن تم سے بات کر کے اچھا لگا۔

‘‘

،،آئندہ نہیں لگے گا۔کیونکہ میں آپ کو بلاک کر رہی ہوں۔اپنے نازک دماغ پہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔،،

اور اگلے ہی لمحے اس روبوٹ نما لڑکی نے بلاک کا بٹن دبا دیا تھا۔مہدی نے اپنے موبائل کو ڈھیر ساری بے یقینی سے دیکھا۔یعنی اس لڑکی نے اسے بلاک کر دیا۔؟مہدی کمبیر کو بلاک کر دیا۔؟

www.novelsclubb.com

کیا اسے ایسا کرنا چاہیے تھا۔؟

دوسری جانب اس نے موبائل ایک بار پھر چارپائی پہ اچھال دیا۔اور واپس اس سیاہ کتے کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔اسکے سامنے رکھی بڑی سی روٹی اٹھائی اور سست روی سے اسکے

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اسکے آگے ڈالنے لگی۔کتے نہ کھایا اب بھی نہیں۔اگلی دو ٹانگیں فرش پہ بچھا کر وہ اداس سا اسکو تکے گیا۔

اپنی مالکن کا غم میں وہ بھی غمزدہ تھا۔رات آہستہ آہستہ اپنی سیاہی سمیٹے رخصت ہو رہی تھی۔

قیسم کا غیر معمولی شور آج تھم سا گیا تھا۔صبح کی پیلی زرد روشنی نے عمارت کو جھلسا رکھا تھا ۔قیس اپنے آفس میں ڈھیر سارے کاغذات جمع کئے بیٹھا تھا۔دفتعا دروازہ بجا۔قیس نے ابھی اجازت نہیں دی تھی کہ کوئی دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر آیا۔

وہ واصف نصیر تھا۔طیش سے اسکے کان سرخ پڑ رہے تھے۔آنکھیں خون برسا رہی تھیں ۔وہ ملگجے سے لباس میں تھا۔اسکا چہرہ غیض و غضب کا مارا تھا۔قیس کو اپنے سامنے سکون سے بیٹھے دیکھ اسکا پارہ مزید ہائی ہونے لگا۔

،، تمہاری جرات کیسے ہوئی قیس کمبیر۔؟مارے طیش کے اسکی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔ تمھیں کیا لگا تھا۔؟تم میرے ڈیزائنز لے لوگے۔اور مجھے پتہ بھی نہیں چلے گا۔؟تمھیں کیا لگا تھا۔تم مجھ سے کہوگے۔اس رات میرے آفس میں داخل ہونے والے تم نہیں بلکہ ،،ایک بلی تھی۔تو کیا میں مان لوں گا۔

حالانکہ میں سچ کہہ رہا تھا۔وہ ایک بلی ہی تھی۔ قیس سکون سے بولا۔کیا تمھیں یقین نہیں آیا۔؟یقینا تمھیں چندراتیں پیچھے لے کر جانا ہوگا۔

واصف نصیر کے آفس میں کھڑے قیس نے اس رات اپنی پنڈلی سے بندھی پستول برامد کی تھی۔جو نہی وہ سیدھا ہوا۔اسکے سامنے کوئی تھا۔وہی جس نے ڈبے گرائے تھے۔وہی جس نے مجسمے توڑے تھے۔وہی جو رات کی تاریکی میں دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تھا ۔کون تھا وہ بھلا۔؟

www.novelsclubb.com

ایک بلی۔ایک ماں بلی۔جس کے منہ میں اپنا بچہ تھا۔چھوٹا سا سفید رنگ اور سیاہ پٹیوں والا بچہ۔شاید وہ اسکے لئے کسی محفوظ مقام کی تاک میں تھی۔اپنے سامنے ایک دیو ہیکل انسان کو دیکھ وہ ایک ہی جست میں باہر بھاگی تھی۔بیچاری معصوم بلی۔ قیس نے اسے جانے دیا۔

وہ جو نہی پلٹ رہا تھا۔اس کی نظر میز کے قریب فرش پہ گری ایک بھوری جلد کی اسکیچ بک پہ پڑی۔خستہ حال سی جلد والی اس اسکیچ بک پہ کھڑکی سے آتی روشنی پڑ رہی تھی۔

قیس اچھنبے سے آگے بڑھ آیا۔چند لمحے یونہی کھڑے رہنے کے بعد اس نے جھک کر وہ نوٹ بک اٹھالی تھی۔اسکی خستہ حالی بتاتی تھی۔اس پہ کئی عرصے سے کام کیا جارہا ہے۔ لیکن قیسم کا کوئی ایسا پراجیکٹ تھا ہی نہیں۔جسے ایک لمبا عرصہ پینڈنگ رکھا گیا ہو۔

اس نے کتاب کھولی۔اور اگلے ہی لمحے اسکے لب اوہ میں سکڑے تھے۔ابرو ستائش سے اوپر کو ہوئے۔چہرے پہ جاندار مسکراہٹ بکھر گئی۔ قیس کا کام قیس کا جنون تھا۔اور جو کام اس وقت اسکے ہاتھ میں تھا۔یہ کروڑوں کا فائدہ تھا۔ایک ایک ڈیزائن اتنا قیمتی اور اتنا نفیس تھا۔کہ لوگ اسکی کئی اسٹاکس ختم کرنے کو دیوانے ہو سکتے تھے۔اسی لمحے کسی بھاری بوٹوں کی چاپ قیس کو اپنے قریب آتی سنائی دی۔اس نے سر نہیں اٹھایا۔وہ یونہی صفحات پلٹتا رہا۔یہاں تک کہ آواز ساکن ہو گئی۔بوٹوں والا شخص ٹھہر گیا تھا۔ قیس نے سیاہ آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔براق حنیف ایک بار پھر اسکے سامنے تھا۔

محظوظ مسکراہٹ لبوں پہ سجائے وہ قیس کو دیکھ رہا تھا۔

،،ہر دوسرے انسان کی طرح مجھے بھی بحث کے دس منٹ بعد یاد آیا۔ارے یہ لائن تو میں نے بولی ہی نہیں۔آہ کاش میں اس وقت یہ لفظ کہہ دیتا۔،،آدھا عرب ہلکے اندھیرے میں کھڑا کہہ رہا تھا۔

،،اسی لئے میں نے سوچا واپس جایا جائے۔ براق حنیف نے ہمیشہ دل کی سنی ہے۔اور دیکھو میں تمھارے سامنے ہوں۔ تمھارے ہاتھ میں ایک اسکیچ بک دیکھ رہا ہوں۔یقیناً مجھے اپنا منہ بند رکھنا ہو گا۔ہے ناں پیارے دوست۔؟،،

قیس سرد سا مسکرایا۔،،

تم اپنا منہ بند رکھو یا کھولو۔مجھے فرق نہیں پڑتا۔لیکن یہ چار فٹ چوڑا منہ میرے سامنے مت لایا کرو۔یوں لگتا ہے۔جیسے یہ تمہاری شکل نہیں۔بلکہ کسی قوم پہ عذاب آیا ہو۔،،

دوست میرے پاس تمہارا سیکرٹ ہے۔کیا تمھیں مجھے عزت نہیں دینی چاہیے۔؟اسے افسوس ہوا تھا۔

جس دن مجھ پہ تمھیں عزت دینے کا وقت آیا۔اس دن عزت بھی خودکشی کر لے گی کہ اسے کس بے عزت انسان کے پاس آنا پڑ رہا ہے ٹریجڈی۔

موجودہ دن میں ہمارے مسئلے زیادہ بڑے ہیں۔ قیس اب تک پر سکون نظروں سے اپنے سامنے کھڑے واصف نصیر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو غصے سے مغلظات بکے جا رہا تھا۔

قیس اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے سامنے آیا۔

میں تمھیں سو کروں گا قیس۔ میں کوئی عام آدمی نہیں ہوں۔ میں کوئی ایرا غیرا نہیں ہوں ۔تم میرا حق نہیں مار سکتے۔ تم میری کمائی۔ میری زندگی نہیں چھین سکتے۔ اسکے منہ سے کف نکل رہا تھا۔

قیس سکون سے اسکے سامنے آکر ٹھہرا۔

تم واصف نصیر احمد۔ تم بھی میرا حق نہیں مار سکتے۔ تم مجھ سے میری کمائی نہیں چھین سکتے ۔میں بھی کوئی ایرا غیرا نہیں ہوں۔ میں بھی کوئی اٹھائی گیر نہیں ہوں۔ ہم دونوں میں سب کامن ہے۔ غور سے واصف کی آنکھوں میں دیکھا۔

تم پر ولیجڈ ہو۔ اور میں سیلف میڈ۔ اس نے کہہ ڈالا۔ میں نے گدھوں کی طرح کام کر کے اس عمارت کو بنایا ہے۔ اور گدھ بن کر اسکی حفاظت کی ہے۔ تمھیں کیا لگتا ہے۔ میں تم جیسوں کو اس عمارت کی بنیادیں نوچنے دوں گا۔؟

میں نے اس عمارت کو بنانے میں تمہارا ساتھ دیا تھا۔واصف غرایا۔میں اس عمارت کو کیوں نوچوں گا۔؟

دھوکہ جڑیں کھوکھلی کرتا ہے۔قیس نے سرگوشی کی۔واصف کی رنگت پھیکی پڑی۔تم جڑیں کھوکھلی کر کے ایک کانچ کی بے جان عمارت دو گے۔؟تو میں اسکا کیا کروں گا۔؟

واصف نے کچھ کہنا چاہا۔لیکن سارے الفاظ حلق میں دب گئے۔یہ آفس میرا ہے۔یہاں تمھیں تنخواہ میں دیتا ہوں۔لوگ تمھیں قیسم کے نام سے جانتے ہیں۔وہ ایک پل کو رکا۔سنجیدگی سے اپنے سامنے کھڑے آدمی کو دیکھا۔

یہ ایئر کنڈیشن آفس۔یہ امارت۔یہ شہرت۔تمھیں یہ سب میں نے دیا تھا۔تمھیں یہاں بیٹھ کر میرے لئے کام کرنا تھا۔لیکن تم نے کیا چنا۔؟تم نے غداری چنی۔اور ایک سلطان ہوتے ہوئے میرا فرض ہے کہ تمھیں سزا دی جائے۔

وہ سفاک ہوا تھا۔سفاک بھی ایسا ویسا نہیں۔

تم میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے قیس۔میں تمہاری نسلوں کو رلاؤں گا۔وہ چبا چبا کر باور کروا رہا تھا۔

میں تمھیں فائرڈ کرتا ہوں واصف نصیر۔ کیونکہ مجھے یہ حق ہے۔اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔میں تمہاری تمام ڈیزائنز ضبط کرتا ہوں۔ کیونکہ تمھارے پاس کوئی ثبوت نہیں۔

تم ایسا نہیں کر سکتے قیس۔ مم میرے پاس ثبوت ہے۔ براق... براق حنیف نے سب دیکھا ہے۔.... وہ گواہی دے گا۔..... میں تم پہ کیس کروں گا۔ میں تمھیں گھسیٹوں گا۔ وہ پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا۔اسکا بس نہیں چلتا تھا اپنے بال نوچ ڈالے۔

تم آج گرفتار ہو گے۔مجھے جان کی دھمکی دینے کے لئے۔ کوئی تمھارے لئے گواہی دینے نہیں آئے گا۔ کوئی تمہیں بچائے گا نہیں۔ وہ ایسے کہہ رہا تھا گویا کوئی خبر نامہ پڑھ رہا ہو۔

تم میرے خلاف کورٹ میں نہیں جا سکتے۔ کیونکہ اگر تم وہاں گئے تو تمھیں ماننا ہو گا۔ کہ تم نے مجھے دھوکہ دیا۔

اب نے واصف کے پیروں سے صحیح معنوں میں زمین کھسکی تھی۔

تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے قیس۔اب کے اسکے لہجے میں شاک تھا۔میں.. میں نے تمھارے ساتھ کام کیا ہے۔ تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔

،،دھوکے کی ایک خاصیت ہوتی ہے۔یہ پلٹ کر آپ ہی کے پاس آتا ہے۔تمہاری باری آ چکی واصف نصیر۔،،

میں نے دھوکہ نہیں دیا قیس۔خدا کی قسم میں نے دھوکہ نہیں دیا۔وہ گگھیا رہا تھا۔قیس اب پلٹ کر اپنی میز تک جا رہا تھا۔

میں بس تمھیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔میں نے جو کچھ کیا تمھارے لیے قیسم کے لئے کیا۔ مجھے معاف کرو۔اچھا ایک منٹ ایک منٹ ہم بات کر لیتے ہیں۔اسکے الفاظ بے ربط تھے۔ باتوں کا کوئی جوڑ نہیں ملتا تھا۔

قیس انٹر کام اٹھائے سیکورٹی کو بلا رہا تھا۔واصف نصیر کا دل بند ہونے لگا۔

قیس... قیس تم میری بات سنو۔میرے ساتھ یوں نہ کرو۔میں نے تمھیں کوئی دھوکہ نہیں دیا۔یہ سب قیسم کے لئے تھا۔میرا یقین کرو۔

قیس نے ٹھنڈی ٹھار نظروں سے اسے دیکھا۔

،،ایک مہینہ قبل فیصل آباد میں سائٹ دیکھنے گئے تھے تم۔؟کیا اپنے زندہ باپ کی قبر کے لئے۔؟یا پھر اپنی مردہ ماں کو اسلام آباد کے قبرستان سے کہیں اور شفٹ کرنا ہے۔؟،،

واصف نصیر نے منہ پہ جیسے کسی نے کھولتا ہوا تیل ڈال دیا ہو۔ وہ جل کر راکھ ہونے لگا۔

تم ان ایک ہزار ڈیزائنز کے سہارے اپنی کمپنی اپنا فیشن ہاؤس بنانا چاہتے ہو۔ تمھیں لگتا ہے میں نہیں جانتا تھا۔؟

اسی لمحے کھلے دروازے سے دو سیکورٹی اہلکار اندر داخل ہوئے۔ جنہوں نے آتے ہی واصف نصیر کو گردن سے دبوچا۔ ایک نے بازو پکڑا۔ قیس چند لمحے بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھا رہا۔ اور پھر آنکھ کے اشارے سے دفع ہونے کا اشارہ کیا۔

سیکورٹی اہلکار اسے لے کر جا رہے تھے۔ وہ خاموشی سے ساتھ جا رہا تھا۔ اس وقت اسکا دماغ خالی تھا۔ لیکن وہ بہت جلد ایک انتقامی کاروائی کے کے ساتھ لوٹنے والا تھا۔

قیس تیار تھا۔ وہ ہمیشہ ہی تیار رہتا تھا۔

www.novelsclubb.com

حاکم نواب کے گھر پہ دوپہر کا کھانا کھایا جارہا تھا۔لمبا دستر خوان برآمدے میں بچھا تھا۔زینیا سالن کے ڈونگے رکھتی نظر آرہی تھی۔کونج چاولوں کا ڈش بے ڈھنگے انداز میں بھرے ہوئے آتی دکھائی دے رہی تھی۔بشر خاموشی سے ایک طرف بیٹھا تھا۔دادی اماں سربراہی جگہ پہ بیٹھی تھیں۔انکی دائیں طرف ابا بیٹھے تھے۔اور بائیں جانب آکر کونج بیٹھی ۔امینہ بیگم نے بشر کے ساتھ والی جگہ سنبھال لی۔اور زینی ابا کی لائن میں ذرا فاصلے پہ۔

ابا برے نہیں تھے۔نہ وہ بری تھی۔بس ان دونوں کے درمیان فاصلے تھے۔جسے ان دونوں میں سے کسی نے ختم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔زینیا نے اس فاصلے کو ضرورت سے زیادہ محسوس کیا تھا۔اور ابا نے شاید ساری زندگی ضروری محسوس ہی نہیں کیا تھا۔

،،ابا۔؟ کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھی زینیا نے پکارا۔

www.novelsclubb.com

ھمم کہو۔؟

اگلے ہفتے سے میری کلاسز ہیں۔مجھے جانا ہوگا۔آپ کی اجازت چاہیے۔وہ گردن ترچھی کئے اپنے باپ کو دیکھ رہی تھی۔بشر خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔

اگلے ہفتے نہیں بیٹا۔دو دن بعد مایوں ہو گا۔پھر اگلے دو دن بعد نکاح اور رخصتی ہے۔بالاج نے ایک چھوٹا سا فلیٹ دیکھا ہے۔تم اسکے ساتھ وہیں شفٹ ہو گی۔اس ہفتے نہیں۔اگلے ہفتے دونوں ساتھ جانا۔انہوں نے تفصیلی جواب دیا۔لہجہ خوش گوار رہا۔زینیا بس انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

بالاج سعودی کب جا رہا ہے ابا۔؟اب کے بشر نے سوال کیا تھا۔

ایک ماہ بعد کا کہہ رہا تھا۔وہ بھی میری وجہ سے۔ورنہ اسے تو شادی کے اگلے روز جانا تھا۔لیکن میرا بھانجا ہے۔اپنی عورت کو یوں چھوڑ کر تھوڑی جائے گا۔انکا بس نہیں چلتا تھا۔بھانجے کی شان میں قصیدے پڑھنے لگیں۔

کونج نے ایک نظر زینیا کو دیکھا۔پھر ابا کو۔اور پھر دادی کے کان کے پاس جھکی۔

یہ آپ کے بیٹے کو ہو کیا جاتا ہے۔؟ کبھی گڑ کی ڈلی کبھی زہریلی کلی۔؟اسکی آنکھوں میں شیطانی ناچ رہی تھی۔دادی نے اپنے بیٹے کو دیکھا۔پھر کونج کے کان میں سرگوشی کی۔

جب بھی یہ آدمی تم لوگوں سے غصے میں بات کرے ناں۔تو یہ سوچا کرو کہ اسکے سر پہ بھاری پتھر گرا ہے۔بیچارہ پاگل ہو گیا ہے۔ابھی وہ دادی کی بات پہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ جب ابا کی بات پہ ٹھٹھک گئی۔

یہ کھاؤ کونج۔کتنی کمزور ہو گئی ہو بچہ۔انہوں نے محبت سے اپنے ہاتھوں سے بکرے کا سالن اسکی پلیٹ میں ڈالا۔کونج کے تاثرات سپاٹ ہوتے گئے۔اسے ابا کی ان محبتوں کی ضرورت تھی نہ عادت۔

ابا اور کونج تکوئن کے سرے تھے۔ایک سرے پہ کونج تھی۔ایک پہ ابا۔آخری سرے پہ کون ہونا چاہیے۔وہی جو انھیں جوڑ سکے۔؟

بیٹا تمہاری پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔؟اور تم نے مجھ سے پیسے مانگنا ہی چھوڑ دیا ہے۔کل تمہاری اماں کو دس ہزار دیے ہیں تمھارے لئے۔شاپنگ کرنا۔وہ کس محبت سے کہہ رہے تھے۔زینیا بس انہیں دیکھتی رہی۔سنتی رہی۔لیکن کونج سے سنا نہیں گیا۔وہ ابا کی محبوب اولاد تھی۔لیکن اسے ابا سے محبت نہیں تھی۔

میری پڑھائی اور میری شاپنگ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔وہ کہنا تو یہی چاہتی تھی لیکن۔

پڑھائی ٹھیک ہے کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ مناسب لہجہ۔اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔اب اسے اگلے ایک گھنٹے تک رونا تھا۔ابا کے ماضی کے رویے پر۔اور حال کے بدلتے رنگوں پر۔

زینیا اب بھی چپ چاپ ابا کو دیکھ رہی تھی۔ شادی اسکی تھی۔اس سے پوچھا جانا چاہیے تھا ۔پڑھائی کے لئے دوسرے شہر وہ جا رہی تھی۔اسے حوصلہ دینا چاہیے تھا۔ابا اسکے فیورٹ تھے۔ لیکن وہ ابا کی فیورٹ کبھی نہیں بن سکتی تھی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔زینیا اور ابا کے ستارے ایک دوسرے کے مدار میں نہیں گھوم سکتے تھے۔ابا اسکے نہیں بن سکتے تھے ۔

پھر چاہے بشر کے لئے دیکھے گئے خواب اپنے زریعے پورے کرے۔یا پھر ابا کے بھتیجے سے دل کو مار کر شادی کر لے۔

www.novelsclubb.com

ابا چند لمحے آزردگی سے اپنی چھوٹی بیٹی کو جاتے دیکھتے رہے۔ پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ایک سخت نظر زینیا پہ ڈالی۔

اگر تم اسکی تربیت اچھے سے کرو۔ تو آج وہ اس طرح زبان نہ چلائے۔ لیکن تمھارے تو اپنے غم ختم نہیں ہوتے۔ سارے عزاب مجھ پہ ہی آنے تھے۔ بڑبڑاتے ہوئے وہ چلے گئے ۔

زینیا یاسیت سے ابا کے لئے بنائے کھانے کو دیکھتی رہی۔ زندگی میں محبت کے علاوہ بھی کئی غم تھے۔

کمبیر محل میں اتری شام خوش گوار نہیں تھی۔ اس وقت سارے گھر کی آرائش وزیبائش کو چھوڑے ہم مقصود کمبیر کے کمرے کی طرف جائیں گے۔ جہاں سے مہدی کے تیز تیز بولنے کی آوازیں آتی تھیں۔

www.novelsclubb.com

دروازہ دھکیل کر اندر آؤ تو ایک صاف ستھرا کمرہ تمہارا منتظر ہے۔ چاروں دیواروں پہ ہوا سفید پینٹ۔ کمرے کے عین بیچ وبیچ رکھا سفید پلنگ۔ دیواروں پہ مختلف پینٹنگز تھیں۔ ایک جانب قدیم تاریخی کتابوں کا ریک۔ اسکے سامنے رکھا سیاہ ریکلائنر۔

مقصود کمبیر اپنی وہیل چیئر پہ بیٹھے تھے۔ مہدی انکے سامنے کھڑا تھا۔ نیلی بیگی شرٹ۔ سفید سلیکس۔ گلے میں جھولتی چین۔ بالوں کے تازہ اسپائکس اور چہرے کا دبا دبا غصہ۔

جو آپ چاہتے ہیں چچا وہ ہر گز نہیں ہو گا۔ وو عورت اس گھر میں نہیں آئے گی۔ اگر وہ آئے گی تو میں یہاں سے جاؤں گا۔ انگلی اٹھا کر کہتا وہ وارن کر رہا تھا۔ مقصود ٹھنڈے تاثرات لئے اسے دیکھ رہے تھے۔

اس عورت سے نفرت ہے مجھے۔ بے تحاشا نفرت۔ میں اسے اپنی زندگی سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں رکھ آیا ہوں۔ وہ رکا۔ گہری سانس لی۔ تنفس پہ قابو پایا۔

چچا۔ میری بات سمجھیں۔ میں اسے اب قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے اس سے دوری چاہیے۔ ہاں اسکے نام کے ساتھ میرا نام آتا ہے۔ لیکن۔ چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ خود کو کمپوز کیا۔

،، مجھے وقت لگے گا۔ تھوڑا اور وقت۔ میں نے اسے ڈس اؤن نہیں کیا۔ نہ کر سکتا ہوں۔ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ مجھے وقت لگے گا۔ اور تب تک آپ مجھے تنگ نہیں کریں گے ۔،، اس نے آخری بات ذرا سختی سے کہی۔ چند لمحے اس برف نما انسان کے تاثرات دیکھتا رہا۔ اور پھر باہر نکل گیا۔ وہ باہر نکلا تو ایک اور شخص اندر آیا۔

نیلا سوٹ پہنے۔ کوٹ بازو پہ ڈالے۔ گھنگریالے بال ماتھے پہ بکھر رہے تھے۔ وہ اپنے چمک دار بوٹ کمرے کے سفید فرش پہ دھرتا اندر آرہا تھا۔ اسکی آنکھوں میں استہزاہ تھا۔

کیا ہوا چچا۔؟ حکومت کا موقع ہاتھ سے چھن گیا۔؟ ایک بار پھر آپ کا لوگوں پہ حکمرانی کا خواب ادھورا رہ گیا۔؟ مقصود کمبیر اور قیس کا تعلق یہی تھا۔ طعنے، طنز، بدگمانی، نصیحت۔

وہ اپنے دور کے مایاناز بزنس مین رہے تھے۔ انکے مشورے،، انکی اسٹریٹجی، آج بھی کسی میوزیم کے خانے میں رکھے جائیں۔ قیس کی بات پہ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا ہوا آیا۔ اور نیلے رکلائنر پہ آکر بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھالی۔

جانتے ہو قیس۔ چیتا شیر سے تیز دوڑتا ہے۔ لومڑی شیر سے زیادہ چالاک ہوتی ہے۔ ذرافے کا قد شیر سے زیادہ اونچا ہوتا ہے۔ ہاتھی کی جسامت شیر سے دگنی ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی۔ پھر بھی۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ جانتے ہو کیوں۔؟ نگاہیں اٹھا کر قیس کو دیکھا۔ وہ چپ تھا۔ مقصود کو اسکے بولنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

،، شیر بادشاہ ہوتا ہے۔ کیونکہ شیر کو خود کے بادشاہ ہونے پہ یقین ہوتا ہے۔ شیر حکمران ہوتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے وہی حکمران ہے۔،،

قیس مرعوب نہیں ہوا۔وہ اپنے چچا کی غیر معمولی باتوں کا عادی تھا۔مقصود کہتے رہے۔

،،باقی سارے جانور سیلف ڈاؤٹ کا شکار ہیں۔انہوں نے کبھی خود کو کھوجا ہی نہیں۔مجھے لوگوں کو بلا بلا کر ان پہ حکمرانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے حکمرانی کا جنون،لالچ نہیں ہے۔میں انگلی سے سینے پہ دستک دی۔حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔،،

قیس نے رکلائنر سے ٹیک لگالی۔اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر کر کے بے آواز تالی بجائی۔گویا اپنے چچا کو سراہا ہو۔

خیر مجھے بتاؤ تم یہاں کیوں آئے ہو۔؟کیا آج اپنے دوسرے باپ سے فرصت ملی ہے ۔؟انکا اشارہ بختیار کی جانب تھا۔

قیس مسکرایا۔،،میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اب آپ میرے خاندان کے معملات میں دخل دینا چھوڑ دیں۔آپ انیسہ کو زور زبردستی نہیں منوا سکتے۔آپ مہدی کو اس عورت سے تعلق رکھنے یا نہ رکھنے پہ مجبور نہیں کر سکتے۔آپ اب حکومت نہیں کر سکتے۔

،،اس نے آخری لفظوں پہ زور دیا۔

مقصود برف تاثرات سجائے بیٹھے رہے۔وہ قیس کے چہرے پہ کچھ کھوج رہے تھے۔

میرا خاندان میرا مسئلہ ہے۔میرا کاروبار میرا مسئلہ ہے۔آپ چچا آپ لاؤنج لزرڈ بن چکے ہیں۔انگلی اٹھا کر انکی ذات کو نشانہ بنایا۔لیکن وہ کوئی ہمدردیوں کے مارے معذور نہیں تھے۔جو روپڑتے یا جنکا دل ٹوٹ جاتا۔وہ کمر سیدھی کئے گردن تانے بیٹھے رہے۔

،،قبولیت کا وقت آچکا ہے چچا۔قبول کریں کہ اب سلطان میں ہوں۔،،

،،بات صرف یہ نہیں ہے قیس کمبیر مدعے پہ آؤ۔تم یہاں مجھے نیچا دکھانے آئے ہو۔وو کروجو کرنے آئے ہو۔مرد بنو مرد۔عورتوں کی طرح تمہید باندھنا چھوڑ دو۔،،

قیس گردن جھکا کر مسکرایا۔کبھی کبھی شک ہوتا ہے لوگوں کو انکو لگتا ہے آپ میرے چچا نہیں ہیں۔لیکن اگر آپ کی ایسی مکروہ باتیں سن لیں۔تو یقین آجائے گا نہیں۔؟اس نے رائے مانگی۔

مقصود نے سر نفی میں ہلایا۔،،میں جتنا مرضی مکروہ ہو جاؤں۔لیکن بختیار کے لیول تک نہیں جاسکوں گا۔اسکے جیسی خباثت میرے اندر ڈھونڈے نہیں ملے گی۔،،اب کے قیس کی مسکراہٹ سمٹی۔اسکی آنکھوں میں سختی در آئی۔مقصود کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔وہ اس سے یہاں آنے کا مقصد معلوم کرواہی لیں گے۔

میں یہاں اس لئے آیا ہوں تا کہ آپ کو بتا سکوں۔ کہ آپ اب کسی کام کے نہیں ہیں۔ قیس کو اپنے فیصلے خود کرنے آتے ہیں۔ آج میں اپنا فیصلہ کر کے آیا ہوں۔ مجھے میرا کاروبار سنبھالنا آ گیا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم لیتا انکے قریب آ رہا تھا۔

،، آپ گھر بیٹھیں کھانا کھائیں دوا لیں۔ عبادت کریں اور سو جائیں۔ حکمرانی کا جنون اب چھوڑ دیں۔،، وہ دھیرے سے انکے پاس پنجوں کے بل آ کر بیٹھا۔

آپ اب کچھ نہیں کر سکتے۔ اس نے جتایا۔

مقصود تپش زدہ مسکرائے۔ میں اپنے وقت کا عظیم بزنس مین ہوں قیس۔ میں حکمران ہوں۔ میں عظیم ہوں۔ اسکی آنکھوں میں جھانکا۔ اور ایک ایک لفظ توڑ کر ادا کیا۔ میں آج بھی سب کر سکتا ہوں۔

قیس نے سکون سے انہیں دیکھا۔ چند لمحے وہ بس انہیں دیکھتا رہا۔ پھر یکدم اس کی آنکھوں میں سفاکی اتری۔ ابلیس نے گویا اس پہ سایہ کیا تھا۔ اور اسی لمحے وہ اپنے پیروں پہ اٹھ کھڑا ہوا۔

سب کر سکتے ہیں واقعی۔؟ سرد سی سرگوشی، حقارت۔

وہ اپنی ٹانگوں پہ کھڑے ہونا کا زعم جتا رہا تھا۔ مقصود کمبیر کا چہرے مارے اہانت اور بے بسی کے سرخ پڑنے لگا۔

قییسسسس... وہ خون چھلکاتی آنکھوں سے غرائے تھے۔ انکی آواز لرز رہی تھی۔ سارا بدن کانپ رہا تھا۔ مارے غیض کے انکے الفاظ تک نہ نکل سکے۔ قیس یونہی کھڑا رہا۔ آنکھوں میں استہزاہ لئے۔ تاثرات میں حقارت لئے۔

،، مرد جب معذور ہو جائے تو اپنے خاندان کے لئے مرحوم ہو جاتا ہے۔ وہ سور پھونک رہا تھا۔ میں نے چچا انگلی سے سینے پہ دستک دی۔ میں نے ایک لاش کو اپنے محل میں رکھا ہے۔ میں نے اس لاش کو اچھا پہنایا۔ اچھا کھلایا۔ اب وہ لاش اگر زندہ ہو کر میری جگہ لینا چاہے۔ تو میرے بس میں ہے کہ اسے مار دوں۔،،

وہ آگے آیا۔ انکی کرسی پہ ایک ہاتھ رکھے انکی جانب جھکا۔ مقصود گہری سانسیں لے رہے تھے۔ سرخ چہرہ، اہانت، بے بسی۔

،، بے روزگار مرد دنیا کا بوجھ ہے۔ میں نے یہ بوجھ اپنے کندھے پہ رکھا ہے۔ چچا خاموش رہیں نوالے توڑیں اور سو جائیں۔ میرے خاندان اور اسکے معملات سے دور رہیں۔،،

مقصود کا تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔وہ خون آشام نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔انکا جی چاہا تھا وہ آج قیس کا گلہ گھونٹ ڈالیں۔

،، قبولیت کا مرحلہ آگیا ہے قبول کریں چچا۔،،

قیس انہیں چند پل دیکھتا رہا۔پھر آگے بڑھ گیا۔دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھے وہ ایک پل کو رکا تھا۔مڑ کر اس لاش نما انسان کو دیکھا۔سر سے پیر تک۔

یاد رکھیے گا۔آپ سب نہیں کر سکتے۔وہ جتا کر باہر نکل گیا تھا۔

یہ اسکی سلطنت تھی۔یہاں کے لوگوں سے جیسے چاہے پیش آتا۔

---

www.novelsclubb.com